www.KitaboSunnat.com

سہروردی امورِ شرعی میں ان سے زیادہ محتاط تھے۔ ان کے ہاں سماع بہت کم تھا۔ خلافِ شرع امور پر وہ فوراً ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔ دوسرے مذہبوں کے ساتھ ان کا برتاؤ غیر معمولی رواداری کا نہ تھا۔ تبلیغ کا جوش بھی ان میں زیادہ تھا۔ سیر و سفر کا شوق بھی انھیں چشتیوں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ بالعموم چشتیوں کا رنگ "جمالی" تھا اور سہروردیوں کا "جلالی"۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ دارالخلافہ کی نازک مزاج اور حساس ہستیوں کو سہروردی کسی بڑی حد تک مسخر نہ کر سکے لیکن اطرافِ ملک میں انھوں نے اسلام کا ڈنکا خوب بجایا اور اسلام کی بڑے پُرجوش طریقے سے اشاعت کی۔

(بقیہ نوٹ از صفحہ ۲۵۳)

ذکرِ جلی اور ذکرِ خفی دونوں کے قائل ہیں۔ سماع سے بے اعتنائی برتتے ہیں اور تلاوتِ قرآن پر خاص طور پر زور دیتے ہیں۔

قادریہ: "پنجاب کے جیشتر سُنّی مولوی اس سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔" قادری سماع بالمزامیر کے خلاف ہیں۔ اور ان کے حلقوں میں موسیقی کو (خواہ وہ بالمزامیر ہے یا ان کے بغیر) بہت کم بار ملتا ہے۔ قادری درویش بالعموم سبز پگڑی پہنتے ہیں اور ان کے لباس کا کوئی نہ کوئی حصہ ہلکے بادامی رنگ کا ہوتا ہے۔ وہ درود شریف کو بڑی اہمیت دیتے ہیں ان کے ہاں ذکرِ خفی اور ذکرِ جلی دونوں جائز ہیں۔

نقشبندیہ:- وہ ذکرِ جلی کے خلاف ہیں۔ فقط ذکرِ خفی کو جائز سمجھتے ہیں۔ وہ بالعموم مراقبہ میں سر کو جھکائے آنکھوں کو بند کیے یا زمین پر لگا کر بیٹھتے ہیں۔ موسیقی اور سماع کے خلاف ہیں اور احکامِ شریعت پر سختی سے عامل ہیں۔ ان کے ہاں مُرشد اپنے مریدوں سے علیحدہ نہیں بیٹھتا بلکہ حلقے میں ان کا شریک ہوتا ہے اور توجہ الی الباطن سے ان کی راہنمائی کرتا ہے۔

(ملاحظہ ہو رپورٹ مردم شماری متعلقہ پنجاب از ایڈورڈ میکلیگن ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۹۲-۱۹۶) بیعت کے وقت سب سلسلوں میں مرید کا سر تراشا جاتا ہے۔ توبہ کرائی جاتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ اس کے لیے بیعت ایک نئی روحانی اور اخلاقی زندگی کا آغاز ہو۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

افسوس ہے کہ سہروردیوں کی مکمل تاریخ مرتب نہیں ہوئی اور آج تو اس کے لیے مواد نہیں ملتا۔ سہروردیوں نے کام زیادہ تر اسلامی ہندوستان کے سیاسی اور ثقافتی مرکزوں سے دُور رہ کر کیا۔ ان کی رُوحانی کوششوں کو دارالخلافے کی تیز برقی روشنی نے اُجاگر نہیں کیا اور اتفاق سے ان میں اہلِ قلم حضرات کی بھی بہتات نہیں۔ چشتیوں میں سے اکثر اصحابِ سجادہ (مثلاً حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ بابا فریدؒ۔ حضرت سلطان المشائخ۔ سید گیسو درازؒ) ایک خوشگوار ادبی رنگ کے حامل بلکہ شاعر تھے۔ ان کے مریدوں میں امیر خسروؒ، امیر حسن سنجری۔ ضیاء الدین برنی مورخ جیسے کامل الفن ادیب اور شاعر موجود تھے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کے کارنامے بڑی آب و تاب سے بیان ہوئے اور ہماری رُوحانی زندگی کا جزو ہو گئے، لیکن سہروردیوں کی ٹھوس مذہبی خدمات سے (جن کی بدولت مغربی اور مشرقی پاکستان میں اسلام کا بول بالا ہوا) ایک عام بے خبری ہے۔

شیخ بہاء الدین زکریا سہروردیؒ

ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کے موسسِ اعلیٰ شیخ بہاء الدین ذکریاؒ تھے۔ ان کے دادا مکہ معظمہ سے پہلے خوارزم اور وہاں سے مضافاتِ ملتان میں تشریف لائے اور نانا منگولوں کے حملے میں وطن چھوڑ کر ہندوستان آئے اور کوٹ کروڑ میں آباد ہو گئے۔ شیخ بہاء الدین یہیں ۱۱۷۰ء[۲] میں پیدا ہوئے۔ آپ بارہ برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد آپ خراسان چلے گئے اور سات برس تک علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ پھر بخارا میں یہ سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد حج کے لیے تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں پانچ سال تک روضہ نبوی کی مجاوری کی اور شیخ کمال الدین محمد یمنی سے علمِ حدیث کی سند لی۔ پھر بغداد گئے اور شیخ الشیوخ

۱؎ یہ حالات کسی قدر فوائد الفوائد اور زیادہ تر سیر العارفین سے ماخوذ ہیں۔

۲؎ سیر العارفین ص ۱۰۳

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ شہاب الدین سہروردی[1] کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخؒ کی زبانی لکھا ہے[2] کہ شیخ بہاء الدین زکریا مرشد کی خدمت میں فقط سترہ دن رہے تھے کہ انھیں خرقۂ خلافت مل گیا۔ اس پر شیخ الشیوخ کے یارانِ قدیم نے شکایت کی کہ ہم تو ایک مدت سے اوراد و وظائف میں مشغول ہیں اور ابھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے، لیکن یہ نووارد چند ہی روز میں کامیاب ہو گیا۔ اس پر شیخ نے فرمایا کہ تم لوگ گیلی لکڑیاں لائے ہو، جن میں دیر سے آگ لگتی ہے۔ زکریا چوبِ خشک لایا تھا جو ایک ہی بار پھونک مارنے سے بھڑک اٹھی!

خلعتِ خلافت سے سرفراز کرنے کے بعد بالغ نظر مرشد نے آپ سے فرمایا کہ اب آپ ملتان جائیں اور وہاں اقامت اختیار کر کے وہاں کے لوگوں کو منزلِ مقصود تک پہنچائیں۔ (سیر العارفین ص ۱۰۹) چنانچہ آپ ملتان آئے اور جلد ہی وہاں بڑا اعتبار و اقتدار حاصل کر لیا۔ بلکہ ملتان، سندھ، بلوچستان کے علاقے کو آپ کی روحانی سلطنت سمجھا جاتا تھا۔ آپ کے حالات پر حال ہی میں ایک کتاب انوارِ غوثیہ کے نام سے خادمانِ درگاہ نے شائع کی ہے، جس میں کتبِ تاریخ کے اندراجات کے علاوہ خاندانی روایات بھی جمع کی ہیں۔ انوارِ غوثیہ کے مطابق ممالکِ اسلامی سے واپسی کے بعد شیخ بہاء الدین نے ایک عرصہ صوبہ سرحد کی ایک پہاڑی پر گوشۂ عزلت میں عبادت کی۔ جسے اب کوہِ شیخ بردین (کوہِ شیخ بہاء الدین) کہتے ہیں۔

انوارِ غوثیہ میں لکھا ہے کہ "حضرت کے وعظ سن کر ملکِ سندھ اور علاقۂ ملتان اور لاہور کے اہلِ ہنود میں سے بھی بے شمار خلقت نے جس میں بہت متمول تاجر

---

[1] مصنف عوارف المعارف۔ سہروردی سلسلے کے بانی شیخ ابو النجیب سہروردی کے بھتیجے اور خلیفۂ اکبر بلکہ سلسلے کے بانیِ ثانی تھے۔

[2] فوائد الفواد ص ۴۳

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور بعض والیانِ مُلک بھی تھے، دینِ اسلام اختیار کیا اور حضور کے مرید ہوئے۔" اس کے علاوہ "حضرت نے عامۂ خلائق کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے زراعت اور تجارت کے کام کو رفتہ رفتہ بڑھایا۔ اطرافِ ملتان میں جہاں کہیں اچھا موقع ہُوا اُفتادہ جنگلوں کو آباد کرایا۔ چاہات اور نہریں احداث کرائیں .... اور تجارت کی طرف بھی حضرت نے بہت توجہ فرمائی۔" (انوارِ غوثیہ صہ ۴۸-۴۹)

شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر سے جو ملتان سے تھوڑے فاصلے پر پاکپٹن میں مقیم تھے، آپ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ بلکہ بعض تو کہتے ہیں کہ آپ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ ایک دفعہ آپ نے بابا فرید کے نام رقعہ لکھا جس کا ایک فقرہ تھا: "میانِ ما و شما عشق بازی است" بابا فرید نے جواب دیا: "میانِ ما و شما عشق است بازی نیست[1]"۔ آپ کے زمانے میں شیخ شہاب الدین سُہروردی کے اور خلفا مثل قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ جلال الدین تبریزی ہندوستان تشریف لائے۔ لیکن چشتیہ بزرگوں کی کشش نے انھیں اپنا لیا اور انھوں نے سہروردی سلسلے کو فروغ دینے کی ضرورت نہ سمجھی۔ قاضی حمید الدین ناگوری کے تو فقط تین مرید تھے اور شیخ جلال الدین تبریزی نے بھی بنگالہ جانے سے پہلے بہت کم لوگوں کو مُرید کیا۔ یہ کمی شیخ بہاء الدین زکریا نے پوری کی اور ان کی وجہ سے سہروردیہ سلسلے کو ہندوستان میں اہم جگہ مل گئی۔ ان کے زمانے میں شیخ الاسلام سید نور الدین مُبارک غزنوی اور شاہ ترکمان بیابانی[2] بھی سُہروردی سلسلے سے تھے، لیکن سلسلہ ان سے بہت چلا نہیں اور ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کا مورثِ اعلےٰ شیخ بہاء الدین کو کریا

---

[1] سیر الاولیا صہ ۷۷

[2] شیخ شہاب الدین سہروردی کے ایک اور مرید شیخ شہاب المعروف جگجوت تھے۔ وہ پورب چلے گئے اور پٹنہ کے قریب ایک قصبہ (جیٹھلی) میں دفن ہیں۔ بہار کے مشہور صُوفی شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ان کے حقیقی نواسے تھے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہی کو سمجھنا چاہیے۔

آپ کے زمانے میں ناصر الدین قباچہ جو سلطان محمد غوری کا غلام تھا، ملتان کا گورنر تھا۔ سلطان قطب الدین ایبک کی وفات تک تو وہ بادشاہ دہلی کا وفادار صوبیدار بنا رہا۔ لیکن جب اس کا غلام التمش بادشاہ ہوا تو قباچہ نے بھی خود مختاری کا ارادہ کیا۔ شیخ بہاء الدین زکریا اور قاضی شرف الدین قاضی ملتان نے خط لکھ کر التمش کو اس کے منصوبوں کی اطلاع دینی چاہی۔ قضارا دونوں کے خط قباچہ کے ہاتھ جا لگے۔ قاضی کو تو اس نے فوراً قتل کرا دیا اور شیخ سے باز پرس شروع ہوئی۔ شیخ نے صاف کہا کہ یہ خط میں نے لکھا ہے اور ارشادِ الٰہی کے مطابق لکھا ہے۔ تمھاری کوششوں سے سوائے مسلمانوں کا خون بہنے کے اور کچھ نہ ہوگا۔ شیخ کا ملتان میں اتنا اثر تھا کہ ناصر الدین قباچہ کو انھیں آزار پہنچانے کی ہمت[1] نہ ہوئی۔ بالآخر اس نے التمش کے خلاف بغاوت کی اور التمش اس کا تعاقب کر رہا تھا کہ وہ دریائے سندھ میں ڈوب کر مر گیا اور اس کی جگہ ایک نیا صوبیدار مقرر ہوا۔

اسی طرح نقل ہے کہ جب ۱۲۵۷ء میں منگول ملتان میں داخل ہو گئے اور برج اور مورچے گرا کر شہر میں قتل و غارت شروع کرنے کو تھے تو حضرت مخدوم العالم شیخ بہاء الدین زکریا ایک لاکھ درہم نقد لے کر پہنچے اور منگلوں کو یہ رقم ادا کر کے شہر کو ان کی تباہی سے بچایا۔[2]

سہروردیہ سلسلے میں سماع کی وہ افراط نہیں جو چشتیہ سلسلے میں ہے اور شاید یہ کہنا صحیح ہے کہ عام طور پر سہروردی چشتیوں کی نسبت احکام شرعی کی تعمیل میں زیادہ محتاط رہے ہیں۔ مثلاً سیر الاولیا میں لکھا ہے: "منقول ہے کہ ان دنوں

---

[1] فوائد الفواد صہ ۱۱۹

[2] ملاحظہ ہو مولوی نور احمد خان فریدی مولف ملتان کا ایک مضمون مندرجہ نیرنگ خیال جون ۱۹۲۹ء

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سرہ کا ایک فرزند ناگور میں آیا اور جب اس نے سُنا کہ (سلطان التارکین) شیخ حمید الدین (صوفی ناگوری خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ) نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے تو شور برپا کیا۔ اور چند ظاہر بین عالموں کو لے کر آپ کے مکان پر پہنچا اور معروف کرنا شروع کیا (مرا ۱)

سہروردی چشتیوں کی طرح سماع کے معاملے میں غلو نہیں کرتے بلکہ عموماً اس سے مجتنب ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض بقول شیخ جمالیؒ "بر سبیلِ ندرت" سماع سُنتے ہیں۔ چنانچہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی نسبت بھی لکھا ہے کہ جب عبداللہ نامی ایک قوال خوش کلام ملکِ روم کی طرف سے ملتان آیا تو اس نے شیخ زکریاؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے میری قوالی سُن کر سماع کیا تو شیخ نے فرمایا کہ اچھا اگر حضرت نے سُنا ہے تو ہم بھی سُنیں گے۔ چنانچہ انھوں نے عبداللہ اور اس کے ساتھی کو حجرے میں بُلایا۔ اور حجرہ بند کر کے قوال سے کہا کہ کچھ پڑھو۔ قوال نے غزل شروع کی ؎

مستاں کہ شرابِ ناب خوردند از پہلوے خود کباب کردند

شیخ پر کیفیت طاری ہوئی تو انھوں نے چراغ گُل کر دیا۔ جس سے حجرے میں اندھیرا ہو گیا۔ لیکن اتنا نظر آرہا تھا کہ شیخ گردش کر رہے ہیں[۲]۔

سماع سے شیخ کی دلچسپی مشہور فارسی شاعر عراقی کی صحبت کی وجہ سے اور بھی

---

[۱] لیکن یہ امر قابل ذکر ہے کہ جمع اموال کی بنا پر حضرات چشت سہروردیوں کو طنز کرتے رہے ہیں۔ اسی مسئلے پر شیخ حمید الدین ناگوری اور شیخ بہاء الدین زکریا کے درمیان دلچسپ خط و کتابت ہوئی تھی۔ (اخبار الاخیار) اور سید گیسو درازؒ نے بھی کہا: "مشائخ ملتان ہمتے بر جمع مال دارند و مشائخ خراسان تعلقے بہ تجارت و سوداگری دارند۔ اما خواجگان ما بہ ہیچ از اسباب دُنیاوی متعلق نشدہ" (جوامع الکلم صہ ۲۱۲)

[۲] فوائد الفواد صہ ۱۴۷ سیر العارفین صہ ۱۱۴

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بڑھ گئی ۔ وہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے بھانجے تھے اور ان دنوں اثنائے سیر د سیاحت میں ملتان تشریف لائے تھے ۔ شیخ بہاء الدین سے وہ اتنے متاثر ہوئے کہ وہ کہتے تھے ۔ "برمثال مقناطیس کہ آہن راکشد ۔ شیخ مرا جذب می کند ۔ و مقید خواہد کرد ۔ ازیں جا زود تر باید رفت " ۔ شیخ نے بھی اپنے مرشد کے خواہرزادہ کی بڑی خاطرداری کی ۔ اپنی بیٹی اس سے بیاہ دی ۔ اور عراقی ایک عرصہ ملتان میں مقیم رہے ۔ وہ نہایت دل گداز شعر لکھا کرتے تھے ۔ چنانچہ نفحات الانس میں مولنا جامی لکھتے ہیں کہ جب شیخ بہاء الدین زکریا کی خانقاہ میں عراقی نے چلہ کشی شروع کی تو ابھی چند ہی دن گزرے تھے ۔ کہ ان پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی ۔ انھوں نے ذیل کی غزل کہی ۔ اور اسے بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا ؎

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ز چشم مست ساقی وام کردند
برائے صید مرغ جان عاشق ز زلف دلبریاں دام کردند
بعالم ہر کجا رنج و ملامت بہم کردند و عشقش نام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش عراقی را چرا بدنام کردند

اہل خانقاہ نے اس پر اعتراض کیا ۔ کیونکہ خانقاہ میں سوائے ذکر اور مراقبہ کے کوئی اور چیز رائج نہ تھی ۔ انھوں نے شیخ سے بھی اس کی شکایت کی ۔ لیکن انھوں نے فرمایا کہ یہ چیزیں تمھیں منع ہیں ۔ اسے منع نہیں ۔ اور آخری شعر پر تو کمال خوشنودی کا اظہار کیا (نفحات الانس صہ ۲۷۷)

عراقی کے علاوہ آپ کے دوسرے مشہور اہل قلم مرید امیر حسینی تھے ، جو کنز الرموز ، زاد المسافرین اور نزہت الارواح کے مصنف ہیں ۔ گلشن راز جو شیخ محمود شبستری کی مشہور مثنوی ہے ۔ حضرت امیر حسینی کے سوالات کے جواب میں لکھی گئی ۔ وہ کنز الرموز میں شیخ بہاء الدین اور شیخ صدر الدین کی تعریف میں لکھتے ہیں ؎

شیخ ہفت اقلیم قطب اولیا واصل حضرت ندیم کبریا

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فخرِ ملت دہلے شرع و دیں | جانِ پاکش منبعِ صدق و یقیں
از وجودِ او بہ نزدِ دوستاں | جنت الماوٰی شدہ ہندوستاں
منکہ رُو از نیک و از بد تافتم | ایں سعادت از قبولش یافتم
رختِ ہستی چوں بدیں نسبت انمیل | کرد پروازِ ہُما بر آشیاں
آں بلند آوازۂ عالم پناہ | سر درِ عصر افتخارِ صدر گاہ
صدرِ دین و دولت آں مقبولِ حق | نہ فلک بر خوانِ جُودش یک طبق!

شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے ہندوستانی مُریدوں میں آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف اور پوتے شیخ رکن الدین ابو الفتح کے علاوہ اُچہ شریف کے بُخاری سیّدوں کے موسسِ اعلےٰ سیّد جلال الدین منیر شاہ میر سرخ بخاریؒ اور سندھ کے لال شہباز قلندر قابلِ ہیں۔

آپ کی وفات ۶۶۱ھ / ۱۲۶۲ء میں ہوئی۔ مزارِ خاکِ پاک ملتان کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے اور اس کے قرب و جوار میں بعض بڑی مبارک و متبرک ہستیاں دفن ہیں[1]۔

---

[1] مثلاً ملتان کا آخری اور جری دل ناظم نواب مظفر خان، جس نے ۱۷۷۶ء سے ۱۸۱۸ء تک بڑی سمجھ، قابلیت اور فرض شناسی سے صوبۂ ملتان کا انتظام کیا۔ اسے اسّی برس کی عمر میں راجا رنجیت سنگھ کی اس فوج کا مقابلہ کرنا پڑا جسے فرانسیسی جرنیلوں نے منظم کیا تھا۔ اور جو ہر طرح کے کیل کانٹے سے آراستہ تھی۔ شیر دل پیر مرد نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ حتّٰے کہ قلعے میں فقط دو تین سو آدمی رہ گئے اور سکھ فوج خضری دروازے سے قلعے کے اندر داخل ہوتی نظر آئی۔ اس وقت بُوڑھا نواب سبز لباس پہن کر ننگی تلوار ہاتھ میں لیے باہر آیا اور دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔ سینکڑوں سپاہی کھیت رہے۔ لیکن تلواروں اور گولیوں کا کیا مقابلہ۔ دو بارہ سہ بارہ گولیوں کی بوچھار ہوئی اور نواب صاحب لڑکھڑا کر میدانِ کارزار میں گر گئے۔ ان کے پانچ جانباز فرزند بھی دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ بڑا بیٹا سرفراز خان لبِ زخم

(باقی اگلے صفحے پر)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ صدرالدین | شیخ بہاءالدین کی وفات ۱۲۶۲ء میں ہوئی اور آپ کے صاحبزادہ شیخ صدرالدین جانشین ہوئے۔ (غالباً ہندوستان میں موروثی سجادہ نشینی کی یہ پہلی اہم مثال ہے، جس پر بعد میں اچہ کے قادری پیروں نے بھی عمل کیا)۔

شیخ صدرالدین کی بہت سی کرامات بیان کی جاتی ہیں۔ میر حسینی سادات نے کنز الرموز میں ان کی نسبت لکھا ہے ؎

آں بلند آوازۂ عالم پناہ — سرورِ دیں، افتخارِ صدر گاہ
آبِ حیواں قطرۂ بحرِ دلش — چوں خضر علمِ لدنی حاصلش
معتبر چوں قولِ او افعالِ او — ہم بیانِ او گواہِ حالِ او
ملکِ معنی جمع در فرمانِ او — ہم بکسب و ہم بمیراث آنِ او

ہندوستان کے مشائخ میں شاید سب سے پہلے آپ تھے جنھیں شیخ ابنِ عربی کے نظریوں اور تصانیف کے متعلق اطلاع ملی۔ ہم مشہور شاعر عراقی کا ذکر کر چکے ہیں جو شیخ صدرالدین کے بہنوئی تھے اور شیخ بہاءالدین زکریا کے مریدِ خاص۔ جب عراقی ملتان سے بلادِ روم کو واپس گئے تو (ایشیائے کوچک کے) مشہور شہر قونیہ میں ان کی ملاقات شیخ محی الدین ابنِ عربی کے مشہور خلیفہ شیخ صدرالدین قونوی سے ہوئی اور ایک عرصہ ان کی صحبت میں گزارا۔ عراقی نے وہیں فصوص الحکم کا مطالعہ کیا اور اس سے متاثر ہو کر لمعات لکھی۔ ان دنوں عراقی کی شیخ صدرالدین سے خط و کتابت تھی۔ چنانچہ انھوں نے قونیہ سے یہ تفصیلات شیخ کو ایک خط میں لکھیں۔ سیر العارفین میں شیخ جمالی لکھتے ہیں:

"عراقی از آنجا در روم رسید و در شہر قونیہ در آمد و آنجا شیخ صدرالدین قونوی

(بقیہ نوٹ از صہ ۲۶۱)

کھا کر بیہوش ہوا۔ جب ہوش آیا تو بے ساختہ کہا ؎

منتظر بر بساطِ مرگ نشست — ملتانی زملتاں رخت بر بست

(مولوی نور احمد فریدی مؤلف ملتان)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خلیفہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ بود۔ چندگاہ در صحبتِ ایشاں مے گزرانید و نسخہ لمعات در قونیہ تصنیف کرد و ازاں جا کتابے متضمن کلمات و نکات عرفان بجانب حضرت سلطان العارفین شیخ صدرالدین عارف پسر بزرگ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نوشتہ است کہ مارا الآن بر صوفی صحبتے افتادہ است کہ کلماتش این است۔ معلوم نیست کہ حضرت ایشاں چہ جواب نوشتند۔" (ص ۱۸۹)

شیخ رکن الدین ابوالفتح

۱۳۰۹ء میں شیخ صدرالدین کی وفات ہوئی اور ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین ابوالفتح ان کے جانشین ہوئے۔ ان کے حسن خلق اور پرہیزگاری کی سب تاریخیں گواہ ہیں۔ آپ شیخ بہاءالدین زکریا کے براہِ راست مرید اور اس کے علاوہ اپنے والد کے خلیفہ تھے۔ اپنے زمانے میں آپ کو بڑا عروج ہوا۔ سلطان علاءالدین خلجی آپ کا بڑا معتقد تھا۔ اس کی زندگی میں آپ دو دفعہ دہلی آئے۔ بادشاہ نے بڑی عقیدت سے استقبال کیا اور رخصت کے وقت کئی لاکھ تنکے نذر کیے۔ آپ نے وہ رقم لے کر مستحقین میں تقسیم کر دی۔ سلطان علاءالدین کا بیٹا قطب الدین خلجی حضرت سلطان المشائخ کے خلاف تھا۔ اس نے شیخ رکن الدین کو ملتان سے بلایا۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت سلطان المشائخ کے مقابلے میں ایک اور بارگاہ دہلی میں قائم ہو تاکہ حضرت کا اثر و رسوخ کم ہو۔ لیکن شیخ رکن الدین اور سلطان المشائخ اس تپاک و محبت سے ایک دوسرے کو ملے اور ان کا سلوک استاد دوستانہ رہا کہ بادشاہ کے سب منصوبے خاک میں مل گئے۔ سلطان المشائخ شیخ کے استقبال کو اپنی اقامت گاہ سے نکل کر حوضِ علائی تک گئے۔ اور سب سے پہلے ان سے جا کر ملے۔ جب اس کے بعد بادشاہ نے شیخ رکن الدین سے پوچھا کہ اہلِ شہر میں سب سے پہلے کس نے آپ کا استقبال کیا ہے تو آپ نے سلطان المشائخ کی نسبت اشارہ کر کے فرمایا: "کسیکہ بہترین اہلِ شہر است!" اس کے بعد آپ کی اور سلطان المشائخ کی بڑی پُرلطف صحبتیں رہیں جن میں مذہب،

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تصوّف اور تاریخ کے دلچسپ نکتے حل ہوتے رہے۔

سیر العارفین میں ضیاء الدین برنی کے حوالے سے نقل ہوا ہے کہ جب بنگال سے واپسی پر سلطان غیاث الدین تغلق کی اس کے بیٹے جونا خاں (محمد تغلق) نے نو تعمیر چوبیں محل میں ضیافت کی تو آپ بھی موجود تھے۔ کھانا ابھی پوری طرح ختم نہ ہوا تھا کہ آپ نے بادشاہ سے کہا کہ جلدی باہر نکلو۔ بادشاہ نے کہا کہ کھانا ختم کر کے آتا ہوں۔ آپ باہر نکل آئے۔ لیکن بادشاہ نے آپ کے ارشاد پر فوراً عمل نہ کیا۔ اتنے میں چھت گری اور بادشاہ دب کر مر گیا۔ جب حضرت سلطان المشائخ نے انتقال کیا تو آپ دہلی میں تھے اور نمازِ جنازہ آپ نے ادا کرائی۔

سلطان محمد بن تغلق بھی آپ کا قائل تھا۔ جب کشلو خان نے سلطان کے خلاف بغاوت کی اور سلطان نے اسے شکست دے کر حکم دیا کہ اہلِ ملتان کے خون سے نہریں بہادو۔ اور قاضی شہر کریم الدین کی کھال کھچوا دی تو شیخ رکن عالم ننگے پاؤں بادشاہ کے پاس گئے اور اہلِ شہر کی سفارش کر کے ان کی جانیں بچائیں (تاریخ معصومی) عصامی اس واقعہ کی نسبت لکھتا ہے ؎

ابوالفتح، شیخ زماں رکنِ دیں — مگر بُد دراں ہفتہ عزلت گزیں

چو بشنید در شہرِ طوفانِ خوں — برہنہ سر و پاے آمد بروں

کشادہ زبانِ شفاعت گری — ہمے گفت شاہا جہاں پروری

بسے خوں فشاندی دریں بوم و بر — ز تیغت گرفتہ جہاں خونِ تر

بر اہلِ گنہ، نزدِ اہلِ صفا — پسندیدہ تر ہست عفو از جزا

کنوں دست دار از سیاست گری — چو شد نوبتِ عفو و رحم آوری

چو بشنید آں شاہِ آفاق گیر — شد از شیخ مشفق شفاعت پذیر

کبیرِ نکو نام را گفت شاہ — کہ دارند دستے ز اہلِ گناہ

ببرند بندِ اسیراں تمام — گزارند مرغانِ عاجز ز دام

آپ کا مزار قلعہ ملتان کے اندر ایک بڑے عالیشان روضے میں ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اصل میں یہ روضہ غیاث الدین تغلق نے (شیخ بہاء الدین زکریّا کے قریب دفن ہونے کی آرزو میں) اپنے لیے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن اس نے دہلی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہُوا۔ اس کے بیٹے سلطان محمّد بن تغلق نے یہ روضہ شیخ رکن عالم کی تدفین کے لیے دیا۔ اس روضے کی بلندی سَو فٹ کے قریب ہے۔ لیکن چونکہ اس کی بُنیاد ہی پچاس فٹ کے قریب بلند ہے، اس لیے عمارت بہت اونچی ہو گئی ہے۔ اور تیس تیس میل سے صاف نظر آتی ہے۔

بالجملہ یہ کہنا صحیح ہے کہ خاندانِ خلجی اور خاندانِ غلاماں کے عہدِ حکومت میں سہروردیوں کا اثر و رسُوخ چشتیوں سے کم نہ تھا۔ اور بالخصوص سلطان علاء الدین خلجی، سلطان غیاث الدین تغلق اور سلطان محمّد تغلق جس حد تک شیخ رکن الدین کا پاسِ ادب کرتے تھے، اتنا انھوں نے کسی اَور شیخ حتّٰی کہ حضرت سلطان المشائخ کا بھی نہیں کیا۔ شیخ رکن العالم نے یہ اثر خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانے کی خاطر استعمال کیا۔ مثلاً جب آپ سلطان علاء الدین خلجی کے عہدِ حکومت میں دہلی تشریف لائے تو جس روز آپ آئے اس روز بادشاہ نے دو لاکھ تنکے آپ کی نظر کیے اور پھر جب آپ دہلی سے رخصت ہونے لگے تو پانچ لاکھ تنکہ دیا۔ آپ کو یہ رقمیں جس جس روز ملیں اُسی روز آپ نے خلقِ خدا میں تقسیم کر دیں[۱]۔

اسی طرح سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ جب حضرت شیخ رکن العالم ڈولے میں سوار ہو کر حضرت سلطان المشائخ کی ملاقات کے لیے آئے اور مصنف کے والد ڈولے میں شیخ کے لیے کھانا رکھنے لگے تو ڈولے میں ہر طرف کاغذ ہی کاغذ پڑے ہوئے تھے۔ مصنف کے والد نے انھیں ایک طرف کر کے کھانا رکھنے کے لیے جگہ نکالنی چاہی تو شیخ رکن العالم نے حضرت سلطان المشائخ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "آپ کو معلوم ہے یہ کاغذات کیسے ہیں" پھر خود ہی کہنے لگے

۱؎ سیر العارفین ص ۱۴۲

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہ یہ حاجت مندوں کی عرضیاں ہیں، جو وہ مجھے اس لیے دے دیتے ہیں تاکہ میں بادشاہ تک پہنچاؤں، لیکن انھیں کیا معلوم کہ میں آج کس بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں! (ص ۱۲۳)

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ کا قاعدہ تھا کہ آپ ان سب عرضیوں کے ساتھ جو ضرورت مند آپ کے تخت رواں پر ڈال دیتے بادشاہ کے پاس پہنچتے اور ایک خادم کو ہدایت کرتے کہ یہ عرضیاں بادشاہ کے سامنے رکھے۔ چنانچہ بادشاہ یہ سب عرضیاں آپ کی موجودگی میں پڑھواتا۔ ہر عرضی پر حکم لکھواتا اور جب تک لوگوں کی مطلب برآری نہ ہو جاتی آپ وہاں سے نہ ہلتے۔ (ص ۱۲۳)

تاریخ فیروز شاہی میں آپ اور آپ کے خاندان کی نسبت ضیاء الدین برنی لکھتا ہے:-

ہمچناں در تمامی عصرِ علائی شیخ رکن الدین کہ شیخ بن شیخ بن شیخ بود۔ بر سجادہ شیخ صدر الدین و شیخ بہاء الدین در ملتان مستقیم بود و کدام شرف و بزرگی و جلالت و منقبت ازاں بہتر و ازاں بالاتر بود کہ پدرِ او صدر الدین و جدِ او شیخ بہاء الدین زکریا باشد و در ہم عہدِ علائی شیخ رکن الدین دادِ طریقت مشائخ میداد و حقِ تکمیل مریدان می گزاشت و سجادۂ پدر و جد را منور میداشت و تمامی اہلِ دریاے سندھ از ملتان و اچہ و فرود تر و مرلیہ با آستان متبرک شیخ رکن الدین قدس سرہ العزیز تشبث و تعلق نمودہ بودند و چندیں علما از شہر و دیارِ ہند مریدان خدمت او شدہ و در کشف و کرامت شیخ رکن الدین کسے را شبہے و شکے نماندہ بود و مآثر خاندان بزرگوار او از وصف بیرون است و شیخ بہاء الدین زکریا را در میان سالکان و خدا طلبان "باز سپید" گفتندے اعنی ہر کہ خود را بجناح او بر بندد بخدا رسد و شیخ الاسلام صدر الدین با اوصاف کمال و تکمیل سخاوت در غایت افراط داشت و با چنداں مال کہ خدمت او را از میراثِ پدر رسید از وفور اعطا آں بزرگ را بیشتر ایام در قرض گذشتے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ رکن الدین کی وفات ۷۳۵ھ ۱۳۳۴ء میں ہوئی۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ وفات سے تین ماہ پہلے آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ فقط نماز کے لیے حجرہ سے باہر آتے۔ بالآخر ۱۶ رجب کو نمازِ عصر کے بعد آپ نے اپنے خادمِ خاص کو حجرہ میں بُلا کر کہا کہ ہماری تجہیز و تکفین کا انتظام کر لو۔ اس روز نمازِ مغرب کے لیے آپ حجرہ سے باہر نہیں آئے بلکہ امام کو بُلا کر حجرے کے اندر ہی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ نے نوافل کے لیے سر سجدہ میں رکھا اور اسی حالت میں جان بحق تسلیم کی۔

آپ کی اولاد کوئی نہ تھی۔ آپ کا فیض آپ کے خلفائے عظام نے جاری رکھا اور سچ تو یہ ہے کہ آپ کی وفات کے ساتھ ملتان کے پیرانِ عظام کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور مغربی پنجاب اور سندھ کا روحانی مرکز ملتان سے اچ میں منتقل ہو گیا۔ جہاں پہلے آپ کے خلیفۂ اعظم حضرت مخدوم جہانیاں اور ان کے بھائی سید راجو قتال، اور پھر قادری بزرگوں نے ارشاد و ہدایت کی شمعیں روشن کیں۔

آپ کے خلفا میں سے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے علاوہ شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنامی قابلِ ذکر ہیں۔ موخر الذکر ان قابلِ عزت ہستیوں میں سے تھے جنھوں نے محسن کش خسرو خاں کی اشرفیاں لینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کے ایک اور نامور مرید حاکم شاہ تھے جو پہلے کیچ مکران کے گورنر تھے بعد میں دُنیا ترک کر دی۔ اور شیخ سے خرقہ حاصل کرنے کے بعد اچ اور سکھر کے درمیانی علاقے میں ارشاد و ہدایت اور تبلیغ اسلام پر مامور ہوئے۔ آپ کی وفات ۱۳۶۸ء میں ہوئی۔ مزار شریف ریاست بہاول پور میں ہے۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو ریاست بہاولپور کا سرکاری گزیٹیر۔ مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ ذکر کرام (در حالات بزرگان ریاست بہاولپور) از مولوی حفیظ الدین حفیظ بہاولپوری ص ۱۰۲ تا ص ۱۰۶

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سہروردی سلسلہ کے افغان مشائخ[1]

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور ان کے خلفا کا اثر صرف مغربی پنجاب اور سندھ تک محدود نہ تھا۔ بلکہ افغان علاقے میں بھی ان کے معتقد تھے۔ افغان اپنا سلسلۂ نسب بنی اسرائیل سے ملاتے ہیں، جو نینوہ کے حاکم بخت نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کی بربادی کے بعد فلسطین سے نکلے اور پھرتے پھراتے کوہستانِ غور میں آباد ہو گئے۔ سلطان شہاب الدین نے انھیں کوہستانِ غور سے نکال کر علاقۂ رُدہ میں آباد کیا۔ تاکہ وہ غوری حکومت کی پُشت و پناہ بنیں اور ان سے ہندوستان میں جہاد کا کام لیا جا سکے۔ سید سلیمان ندوی کا بیان ہے۔ کہ سلطان محمود غزنوی کے زمانے تک بیشتر افغان غیر مسلم تھے[2]۔ روسی مستشرق بارتولڈ کا بھی خیال ہے کہ افغانوں میں اسلام بارھویں صدی عیسوی کے قریب پھیلنا شروع ہوا اور قریب قریب یہ وہی زمانہ تھا جب ۱۱۸۲ء میں شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت ہوئی اور تعلیم و تربیت اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے خلافت حاصل کرنے کے بعد انھوں نے موجودہ مغربی پاکستان میں اپنے آپ کو ارشاد و ہدایت کے لیے وقف کر دیا۔[3]

---

۱ یہ اندراج تمام تر افغانوں کی قدیمی تاریخ مخزنِ افغانی پر مبنی ہے، جو عہدِ جہانگیری میں خان جہاں لودھی کے ایما پر لکھی گئی۔ کتاب کا انگریزی ملخص ہسٹری آف دی افغانز کے نام سے ۱۸۲۹ء میں اورینٹل ٹرانسلیشن کمیٹی لندن کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ اصل کتاب ابھی مکمل طور پر شائع نہیں ہوئی۔ ہم نے اس قلمی نسخہ سے استفادہ کیا ہے، جو پروفیسر امام الدین ایم۔ اے نے متعدد نسخوں سے مقابلہ کے بعد اشاعت کے لیے مرتب کیا۔

۲ ملاحظہ ہو "عرب و ہند کے تعلقات" از سید سلیمان ندوی صفحہ ۱۸۹

۳ آپ سے پہلے شیخ دتو شوریانی خوشتگی کا نام ملتا ہے، جنھوں نے چشت میں جا کر خواجہ مودود چشتی سے فیض حاصل کیا۔ اور مرشد کے ایما پر واپس آ کر وطن میں منبع ہدایت بنے۔ ان کی تاریخ وفات خزینۃ الاصفیاء میں ۵۵۰ھ (مطابق ۱۱۵۵ء) درج ہے۔ لیکن ان کے فوری جانشینوں کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملتی۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مخزنِ افغانی میں شیخ بہاء الدین زکریا کے دوسرے افغان مریدوں (مثلاً حیدر زرگنی) کے نام ملتے ہیں۔ لیکن اس عہد کے افغان بزرگ، جن کے متعلق مخزن میں سب سے زیادہ تفاصیل ہیں، شیخ بہاء الدینؒ کے نہیں، بلکہ ان کے خانوادہ کے ایک دوسرے مشہور بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں کے مُرید تھے۔ ان کا نام خواجہ یحییٰ بختیار تھا، لیکن انھیں مُرشد سے کبیر کا خطاب ملا تھا۔ اور اب وہ عام طور پر خواجہ یحییٰ کبیر کے نام سے ہی مشہور ہیں۔ ان پر شروع سے ہی محبتِ الٰہی غالب تھی اور لڑکپن میں بھی کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ چنانچہ راہ نما کی تلاش شروع ہوئی۔ ایک دفعہ خواب میں رسالت مآب نے اشارہ کیا کہ تمھیں مخدوم جہانیاں سے فیض ملے گا۔ چنانچہ وہ ہجرت کر کے کوہِ سلیمان اور وہاں سے اوچ تشریف آئے اور مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضر ہو کر مخدوم سید جلال الدین بخاری کی خدمت میں پہنچے۔ اور مُرید ہوئے۔ کئی چلّے طے کیے۔ بڑی ریاضتیں اور عبادتیں کیں اور بڑے فیوض حاصل کیے۔

اس کے بعد وہ مخدوم پیر کانوں اور کئی دوسرے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مخزنِ افغانی میں سب سے زیادہ تفاصیل حضرت یحییٰ کبیر کے متعلق دی گئی ہیں۔ کوئی سولہ صفحے ان کے لیے وقف ہیں۔

شیخ یحییٰ کبیر کی شہرت اپنے علاقے سے باہر، دُور دُور تک پہنچی ہوئی تھی۔ مثلاً مخزنِ افغانی کے انگریزی ملخص میں لکھا ہے کہ بہار کے مشہور بزرگ مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری صاحبؒ نے شیخ یحییٰ کبیرؒ کو ایک خط لکھا اور شکایت کی کہ سُنا جاتا ہے کہ آپ کی محفل سماع میں جب درویش رقص کرتے ہیں تو مستورات بھی موجود ہوتی ہیں۔ آگ اور روئی کی یکجائی مناسب نہیں۔ شیخ یحییٰ جو قوالی کے وقت تو موجود ہوتے تھے، لیکن رقص میں شرکت نہ کرتے اور محفل سماع میں عورتوں کی موجودگی کے خلاف تھے، جواب میں لکھا کہ آپ کا فرمانا بجا ہے۔ لیکن احکم الحاکمین ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ اور طریقے سے بتا دیا کہ اگر خدا چاہے تو

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پنبہ اور آتش کی یکجائی بھی شعلہ زنی کا باعث نہیں ہوتی۔

شیخ یحییٰ کبیر کا زیادہ وقت کوہ سلیمان پر گزرا۔ لیکن سہروردی بزرگوں کی طرح بڑے سفر کیے۔ حج کے علاوہ ان کے فریل (افغانستان) غزنی، سمرقند، ہرات پہنچنے کا ذکر ملتا ہے۔ ان کی عمر شریف میں خدائے تعالےٰ نے بڑی برکت دی اور ایک سو ستائیس سال کی عمر کو پہنچ کر وہ ۲۰ نومبر ۱۴۳۰ء کو وفات پا گئے[1]۔

شیخ یحییٰ کبیر کی اہمیت ان کی اپنی ریاضت و عبادت اور نیک کاموں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے بھی ہے کہ ان کا فیض کثرت سے دوسروں کو پہنچا۔ جو خود فیضیاب ہو کر ہدایتِ خلق کا ذریعہ ہوئے۔ ان کے اپنے خاندان اور خادمانِ درگاہ میں ہی انتیس ایسے بزرگوں کے نام لیے جاتے ہیں، جو درجہ ولائت کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان میں شاید سب سے مشہور آپ کے بھائی شیخ علی تھے۔ جنھوں نے اتنی سخت ریاضتیں کیں، اور اس طرح اپنے جسم کو مار رکھا کہ آپ کے ہمعصر آپ کو شیخ علی ڈنگر یعنی شیخ علی لاغر کہا کرتے تھے۔

شیخ یحییٰ کبیر کی وفات کے تھوڑا عرصہ بعد تختِ دہلی پر پہلا افغان بادشاہ بہلول لودھی متمکن ہوا۔ اس نے روہ سے آنے والے افغانوں کو ہندوستان میں کثرت سے جاگیریں اور زمینیں دیں[2]۔ اور اس ملک میں افغانوں کے آنے کا راستا کھل گیا۔ جن میں کئی صاحبِ باطن بزرگ ہوئے۔ ان میں قابلِ ذکر حضرات کا تذکرہ ہم ان کے سلسلے اور زمانے کے مطابق کریں گے۔

---

[1] یعنی دوم صفر ۸۳۴ھ کو مخزن افغانی کے انگریزی ملخص میں یہ تاریخ درج ہے اور قرائن سے یہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔

[2] بالخصوص جب جونپور کے حاکم نے دہلی کا ایک لشکر جرار کے ساتھ محاصرہ کیا تو بہلول نے اپنی قلتِ فوج کا اندازہ کر کے روہ کے افغانوں کو محبت آمیز اور ولولہ انگیز خطوط لکھے اور ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ کثرت سے افغان اس کی مدد کے لیے پہنچے۔ (ملاحظہ ہو مخزنِ افغانی کا ضمیمہ)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس باب میں ہم نے سہروردی سلسلے کے افغان مشائخ کا ذکر کیا ہے۔ پیر کبلد شیخ دنور شوریانی خویشگی اور بریچ قوم کے جن چشتی مشائخ کا زمانہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے بھی پیشتر بتایا جاتا ہے' ان کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ دو اہم نام مخزنِ افغانی میں آتے ہیں۔ ایک حضرت خواجہ اجمیری کے مشہور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا۔ جنھیں عام صوفی تذکرہ نگار' اوش یعنی علاقہ ترکستان کے ایک شہر کا باشندہ کہتے ہیں۔ لیکن جن کا نام مخزنِ افغانی میں افغان مشائخ میں سرِفہرست درج ہے۔ دوسرے شیخ (نورالدین) ملک یار پراں کا۔ جو عہدِ بلبنی کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے۔ اور دہلی میں جمنا کے کنارے مدفون ہیں۔ اخبارالاخیار اور دوسرے صوفی تذکروں میں انھیں ایران کے علاقہ لار کا باشندہ لکھتے ہیں جو مرشد کے ایما پر ہندوستان آئے۔ لیکن افغان تذکرہ نگاروں کے مطابق وہ افغانوں کے غرشین قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ خزینۃ الاصفیا میں ان کا سالِ وفات ۶۹۵ھ (مطابق ۱۲۹۶ء) لکھا ہے۔ دو واسطوں سے ان کا سلسلہ شیخ ابو اسحاق گازرونیؒ تک پہنچتا ہے۔

مخدوم بہاءالدین زکریا کے جس افغان مرید سے سہروردی سلسلے کو سب سے زیادہ فروغ ہوا اور ارشاد و ہدائت کا ایک بڑا مرکز قائم ہوگیا' وہ شیخ احمد ولد موسیٰ شروانی تھے۔ وہ ایک غریب خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد بھیڑ بکریاں پالا کرتے تھے اور نوعمر احمد ان کی دیکھ بھال پر مامور رہتے۔ ایک دفعہ وہ دامنِ کوہ میں بھیڑ بکریاں چرا رہے تھے کہ چند قلندروں کا اس طرف گزر ہوا۔ شیخ احمد نے ان کی بڑی خدمت کی بلکہ ان کے کمالات سے متاثر ہو کر چاہا کہ ان کے ساتھ ہی چل دیں۔ لیکن قلندروں نے روکا۔ اور کہا کہ اللہ تعالےٰ نے تمھیں قلندری اور بے نوائی کے لیے نہیں پیدا کیا۔ تم سے بہت بڑے کام لیے جائیں گے۔ اور بڑی خلقت تم سے راہِ ہدائت پائے گی۔ تمھیں چاہیے کہ مخدوم شیخ بہاءالدین زکریاؒ کی خدمت میں پہنچو اور ان کے مریدوں میں شامل ہو جاؤ۔ اس کے بعد

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قلندروں نے ان کے حق میں دعاے خیر کی اور وہاں سے رخصت ہوگئے۔ شیخ احمد پر اس کے بعد ایک عجیب حالت طاری ہوئی۔ اور وہ گھربار، ماں باپ چھوڑ کر شیخ بہاء الدین کی خدمت میں پہنچے اور ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ مرشد کی نظرِ عنایت سے وہ مرتبۂ کمال کو پہنچے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

شیخ احمدؒ کی وفات کے بعد ان کا سلسلۂ فیض ان کے تین فرزندوں نے جاری رکھا جو تینوں منبعِ فیض تھے۔ لیکن سجادہ نشین دوسرے بیٹے شیخ سلیمان دانا ہوئے، جو شیخ بہاء الدین زکریا کے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارفؒ کے مرید تھے۔ مخزنِ افغانی میں لکھا ہے کہ مرشد کی بشارت کے مطابق شیخ سلیمان علاء الدین خلجی کے حملۂ چتوڑ کے وقت وہاں موجود تھے۔ جب چتوڑ کی فتح کے بعد راجپوت عورتوں نے رسمِ جوہر ادا کی اور مرد لڑائی میں کام آئے تو جو لوگ بچ گئے تھے، ان میں سے ایک راجپوت لڑکی کے ساتھ شیخ سلیمان نے نکاح کیا، جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے اور جو دونوں مرتبۂ ولایت کو پہنچے۔ بڑے بیٹے کا نام محمود تھا اور چھوٹے نے ملہمی قتال کے نام سے شہرت پائی۔

شیخ ملہمی قتال نے ابتدائی عمر میں ہی سفر اختیار کیا اور سہوان (سندھ) میں جا کر شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مشہور سندھی خلیفہ مخدوم لال شہباز قلندر کے مرید ہوئے اور عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ان سے بہت سے خوارق منسوب کیے جاتے ہیں اور بے شمار خلقت ان کی معتقد ہوئی۔ ان کو قتال دو وجہوں سے کہتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو کچھ انھیں فتوحات کی قسم سے پہنچتا، اسے بڑی بے دردی اور بے دریغانہ خرچ کرتے۔ دوسرے جو کوئی ان کی نسبت بے ادبی کے الفاظ منہ سے نکالتا، وہ اسی وقت کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا۔ شیخ ملہمیؒ کے دو بیٹے تھے۔ شیخ علی اور شیخ بایزید۔ وہ بھی مرتبۂ ولایت کو پہنچے ہوئے تھے۔ اور ان کے بعد ان کی نسل سے متعدد فقرا و مشائخ ہوئے، جنھوں نے بڑی شہرت پائی اور مرجعِ خلائق

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوئے۔

شیخ ملہمی کے بڑے بھائی شیخ محمود حاجیؒ اپنے والد کی جگہ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ شیخ محمد حاجی اور شیخ بر مزید سربنی۔ دونوں بڑے صاحبِ سطوت بزرگ تھے۔ ان کے علاوہ شیخ محمود کے کئی خلفا تھے۔

شیخ ملہمی اور شیخ محمود کی اولاد اور خلفا کی بدولت سہروردیہ سلسلے کو افغانوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

شیخ احمد بن موسے شروانیؒ جن کے خاندان کا ہم ذکر کر چکے۔ کوہ سلیمان کی چوٹی پر آرام فرما ہیں۔ شیخ اسمٰعیل سربنی کا مزار بھی یہیں ہے۔ شیخ اسمٰعیل نے بڑے سفر کیے۔ اور کئی مشائخ بزرگ کی خدمت میں پہنچے۔ بالآخر اپنے وطن میں مراجعت فرما کر ولائت روہ میں مقامِ خواجہ خضر کے پاس ارشاد و ہدائت کا سلسلہ شروع کیا۔ روہ میں اس وقت شیخ احمد مسندِ ارشاد و ہدائت کو زینت دے رہے تھے۔ مخزنِ افغانی میں لکھا ہے کہ شیخ احمد اور شیخ اسمٰعیل میں بڑا ارتباط تھا۔ اور وہ ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوتے تھے۔ حضرت غوث العالم مخدوم شیخ بہاء الدین نے دونوں بزرگوں کے لیے جُدا جُدا خرقہ اور سجادہ بھیجا اور دونوں کو منشورِ خلافت عطا کیا۔ "ازاں روز شہرتِ ایشاں در اقطارِ ربع مسکوں نافذ گشت"۔ شیخ اسمٰعیل کے مزار پر ایک عالی شان گنبد تعمیر ہوا ہے۔ یہ مقام وادیِ خوراہ میں ہے۔ یہاں ہر سال موسمِ گرما میں ہزارہا افغان جمع ہوتے ہیں۔ اور دونوں بزرگوں کی رُوح کو ثواب پہنچانے کے لیے بے شمار بھیڑ بکریاں ذبح ہوتی ہیں۔

شیخ احمد بن موسے شروانیؒ کے متعلق یہ بیان کہ جنید جہاں گرد قلندروں کے ایما پر وہ مُلتان گئے اور مخدوم بہاء الدین زکریاؒ کے مرید ہوئے۔ قابلِ قیاس ہے۔ اور شیخ احمد کے تمام خاندان کا ملتان اور اُچ کے سہروردی خاندان سے مسلسل انتساب رہا۔ لیکن شیخ اسمٰعیل سربنی کے متعلق یہ روائت کہ مخدوم نے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کی شہرت سن کر انھیں خرقہ خلافت بھیجا۔ کسی قدر مستبعد ہے۔ اور شیخ اسمٰعیل کے زمانۂ حیات کے متعلق جو دوسری روایتیں ہیں، وہ بھی ان کے مخدوم ملتانیؒ کے ہم عصر ہونے کے حق میں نہیں۔ افغانی نسب نگار لکھتے ہیں کہ افغانوں کے مورثِ اعلیٰ عبدالرشید قیس المعروف پٹھان کے (جسے رسُولِ اکرمؐ کا ہمعصر بتایا جاتا ہے) ۔ تین بیٹے تھے ۔ سڑبنی ۔ بیٹ یا بٹنی اور غرغشتی ۔ سب پٹھان قبیلے ان تینوں اور عبدالرشید کے پسرِ خوانده کرانی کی اولاد بتلائے جاتے ہیں ۔ ان میں سے سڑبنی کے اولاد کوئی نہ تھی ۔ چنانچہ اس کے بھائی بٹنی نے اس کی درخواست پر اپنا بیٹا اسمٰعیل اس کے پاس بھیج دیا، جو اپنے زُہد و تقوےٰ کی بدولت شیخ اسمٰعیل سڑبنی مشہور ہُوا ۔ اور جس کے یُمن و برکت سے سڑبنی کے بہت اولاد ہوئی ۔ ظاہر ہے شیخ اسمٰعیل سڑبنی کا زمانہ مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے زمانے سے بہت پہلے ہوگا ۔ بہت ممکن ہے کہ جب شیخ احمد شروانیؒ اور دوسرے افغانی مریدوں کی بدولت مخدوم بہاء الدین زکریاؒ کی شہرت افغان علاقے میں ہوئی تو شیخ اسمٰعیل سڑبنی کا انتساب بھی مخدومؒ سے کر لیا گیا ۔ ویسے شیخ بیٹ (یا بٹنی) شیخ اسمٰعیل سڑبنی ۔ شیخ خرخبون (یا خرشبوان) سڑبنی کو نہ صرف صاحبِ کرامت اولیا سمجھا جاتا ہے بلکہ ان کا نام قدیم ترین پشتو شعرا میں بھی آتا ہے ۔ جو کلام ان سے منسوب کیا جاتا ہے، اس کے نمونے ادبیات سرحد (پشتو ادب) مؤلفہ رضا ہمدانی میں ملیں گے ۔

صوفیہ کے عام تذکروں میں شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے جس افغان خلیفہ کا زیادہ تر نام ملتا ہے ۔ وہ شیخ حسن افغان قدس سرہ تھے ۔ مُرشد کو ان پر اتنا ناز تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب روزِ قیامت مجھ سے حضرت باری تعالےٰ پوچھیں گے کہ ہماری سرکار میں تم کیا تحفہ لائے ہو ۔ تو میں کہوں گا کہ "مشغولی و عبادت حسن افغان" میرا تحفہ ہے ۔ حسن افغان سالہا سال مُرشد کی خدمت میں رہ کر فیض یاب ہوئے ۔ اور ان سے کئی خوارق منسوب کیے جاتے ہیں ۔ مثلاً اخبار الاخیار

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور خزینۃ الاصفیا میں حضرت سلطان المشائخ کا بیان ان کی نسبت درج ہے کہ شیخ حسن افغان ایک بہت بڑے ولی تھے۔ اور ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک روز شیخ حسن ایک گلی میں سے جارہے تھے کہ مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ شیخ بھی مسجد میں داخل ہوئے اور امام کے پیچھے دوسرے مقتدیوں کی طرح نماز باجماعت ادا کی۔ جب نماز ختم ہوگئی۔ اور لوگ چلے گئے تو وہ امام کے پاس گئے۔ اور کہنے لگے کہ" اے خواجہ! آپ نے نماز شروع کی اور میں آپ کے ساتھ بطور ایک مقتدی کے شریک ہوگیا۔ آپ یہاں سے دہلی گئے اور وہاں سے غلام خرید کر لائے۔ پھر ان غلاموں کو لے کر عربستان گئے اور انھیں بیچ کر ملتان واپس آئے۔ میں بیچارہ آپ کے پیچھے سرگرداں اور حیران جابجا پھرتا رہا۔ آخر یہ کیا نماز ہے کہ دل تو تجارت میں ہے اور بظاہر نماز ہو رہی ہے!" امام کو بھی معترف ہونا پڑا کہ واقعی اس کے خیالات پریشان تھے۔

مخزنِ افغانی کے منتشر اندراجات سے خیال ہوتا ہے کہ حسن اصل میں خوجند کے ایک سیّد زادہ تھے۔ وہاں کی ایک خاتون کے ساتھ، جس کی ہمشیرہ ملتان میں بیاہی ہوئی تھیں۔ آپ قحط سالی کے زمانے میں یہاں آئے۔ اس خاتون نے غرغشتی قبیلے کے ایک افغان (دادی) سے شادی کر لی۔ اور حسن بھی افغانوں میں بس کر اور شادی بیاہ کر کے افغان ہی ہوگئے۔ ان کی اولاد کو خوندی، خوندی یعنی خوجندی کہتے ہیں۔ مخزنِ افغانی میں لکھا ہے کہ آپ شروع شروع میں، ان بچوں کی طرح جو ماں باپ کی نگرانی سے محروم رہ گئے ہوں، آوارہ و آزاد ہوگئے۔ بلکہ چوری اور ڈکیتی کا پیشہ شروع کیا۔ اور غرغشتی قبیلے کے لوگوں نے پشتو میں آپ کا عُرف ہی غلجو یعنی چور رکھ دیا۔ لیکن پھر عنایتِ الٰہی شاملِ حال ہوئی۔ گناہوں سے یک قلم توبہ کی اور شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں حاضر ہو کر مُرید ہوئے۔ ایک عرصہ ان کی خدمت میں گزارا۔ اور بالآخر ایک کامل ولی ہوگئے۔ اس کے بعد مُرشد نے حکم دیا کہ جا کر افغانوں میں

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہدائت وارشاد کا سلسلہ شروع کرد۔ ("اے حسن برو! در قوم افغاناں ہدائتِ حق کن") ۔ چنانچہ وہ اپنے وطن واپس آئے اور غرشتیوں میں ارشاد و ہدائت کا سلسلہ جاری کیا ۔ آپ کے قبیلے کے لوگ زیادہ تر قندھار کے گرد و نواح میں رہتے ہیں ۔

خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات ۶۸۹ھ یعنی ۱۲۹۰ء میں ہوئی اور ملتان میں اپنے پیر روشن ضمیر کے مزار کے قریب دفن ہوئے ۔

اُچہ میں تبلیغی اور صُوفیانہ سرگرمیاں

سیّد جلال الدین بُخاریؒ

مغربی پنجاب میں ملتان کے بعد اشاعتِ اسلام کا دُوسرا بڑا مرکز اُچہ تھا جو پنجاب کے پانچ دریاؤں کے سنگم (پنج ند) کے قریب ایک قدیمی قصبہ ہے ۔ اچہ کے دو بڑے حصے ہیں ۔ ایک گیلانیہ کہلاتا ہے ۔ جہاں قادریہ سلسلے کے بزرگ رہتے ہیں ۔ دُوسرا محلہ بخاریاں ہے اور سہروردی سلسلے کا مرکز ہے ۔ سب سے پہلے جس سہروردی بزرگ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اچہ کو امتیاز بخشا ۔ سید جلال الدین مُنیر شاہ میر سُرخ بخاری تھے ۔ وہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے خلیفہ تھے ۔ آپ کا وطن بخارا تھا ۔ پہلے آکر بھکر میں اقامت گزیں ہوئے ۔ وہاں کے ایک رئیس سید بدر الدین بھکری نے آپ سے اپنی بیٹی بیاہ دی ۔ لیکن بعض حاسدوں کو ایک نو وارد کا اس طرح امتیاز پانا ناگوار ہُوا اور انھوں نے آپ کی مخالفت شروع کی ۔ آپ ترکِ سکونت کر کے ۱۲۴۴ءؔ میں اچہ آئے اور محلہ بخاریاں کی بنا ڈالی ۔ اس زمانے میں اچہ کو دیوگڑھ کہتے تھے ۔ اور یہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی ۔ آپ کے آنے سے اسلام کو رونق ہوئی ۔ راجے نے آپ کی مخالفت کی ۔ لیکن بالآخر اسے اپنی ریاست سے ہاتھ دھونے پڑے ۔ اور یہ شہر اشاعتِ اسلام کا

ؔ بہاولپور گزیٹیر ۔ لیکن بعض تاریخی شواہد اس کے خلاف ہیں ۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک بڑا مرکز بن گیا۔ پنجاب میں آپ نے شہر جھنگ سیالاں آباد کیا۔ اور ایک مدت تک مغربی پنجاب میں اشاعتِ اسلام کی۔ راجپوتوں کے کئی قبیلوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ جن کی فہرست ریاست بہاولپور کے سرکاری گزیٹر میں درج ہے۔ ہندوستان کے بخاری سیدوں کا سلسلہ آپ پر ختم ہوتا ہے۔ آپ کی وفات ۹۵ برس کی عمر میں ۱۲۹۱ء میں ہوئی۔ مزار اچہ میں ہے۔

شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے ایک اور خلیفہ جنھوں نے اس علاقے میں تبلیغ اسلام کی، حضرت موسیٰ نواب تھے۔ ان کے دادا کیچ مکران کے نواب تھے۔ اس لیے لفظ نواب ان کے نام کا بھی جزو ہو گیا تھا۔ ان کے ہاتھ پر دو قبیلے مسلمان ہوئے۔

اچہ کے ایک اور صاحبِ سطوت بزرگ جن کا ذکر حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات اور معاصرانہ تواریخ (مثلاً برنی کی تاریخ فیروزشاہی) میں آتا ہے، شیخ جمال الدین اچوی تھے۔ وہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مرید تھے اور ان کے خاندان کو اچہ کے بخاری سجادہ نشینوں کی اتالیقی کی عزت بھی حاصل رہی ہے۔ شیخ جمال کی وفات ۱۳۰۰ء میں ہوئی۔ اچہ کے جس حصے میں آپ کا مزار ہے، اسے اچہ جمالی بھی کہتے ہیں۔

مغربی پنجاب میں شیخ بہاء الدین زکریا بابا فرید اور ان کے خلفا کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانے کی ہلچل ان کی تبلیغی کوششوں کے لیے ساز گار تھی۔ علاء الدین خلجی کی فتوحات سے کئی قوموں نے (مثلاً کئی راجپوت قبیلوں نے راجپوتانہ سے) نقل مکان کیا تھا۔ اور اس خانہ بدوشی اور بے سرو سامانی کی حالت میں انھیں ان بزرگوں کا پیغام آبِ حیات کی طرح تھا۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت

اچہ کے جس بزرگ نے سید جلال بخاری سے بھی زیادہ نام پایا حضرت مخدوم جہانیاں[1] تھے، جن کا پورا نام مع القاب کے میر سید جلال الدین مخدوم جہانیان

[1] آپ کے حالات زیادہ تر سیر العارفین، اخبار الاخیار، معاصرانہ کتب تواریخ اور آپ کے ملفوظات سے ماخوذ ہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جہاں گشت بخاری تھا۔ آپ سید جلال الدین منیر شاہ بخاریؒ کے پوتے اور سید صدرالدین مشہور براجو قتال کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ کا بہت سا زمانہ سیرو سیاحت میں گزرا۔ اس لیے آپ کو مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کہتے ہیں۔ آپ نے شمالی ہندوستان بہار و بنگال کے علاوہ عرب، مصر، شام، عراقین، بلخ و بخارا کی سیر کی اور اس دوران میں چھتیس[۳۶] حج کیے اور متعدد بزرگوں سے فیض پایا۔

سب سے پہلے آپ نے اپنے چچا شیخ صدرالدین سے خرقہ حاصل کیا۔ پھر ملتان جاکر شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح کے پاس علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم حاصل کی۔ آپ حضرت چراغ دہلی کے بھی مرید تھے۔ مکہ معظمہ میں آپ نے بہت سا وقت امام عبداللہ یافعی کی صحبت میں گزارا اور مدینہ منورہ میں دو سال قیام کرکے سند المحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ المطری سے عوارف المعارف اور سلوک کی دوسری کتابیں پڑھیں اور باطنی نعمتوں سے مالا مال ہوئے۔

مشہور ہے کہ آپ کو چودہ خانوادوں میں بیعت کی اجازت تھی اور آپ جس کسی سے معانقہ کرتے اس سے فیض اخذ کرلیتے۔ یعنی جس سالکِ راہ سے سابقہ پڑتا اس پر اپنی توجہ کرتے اور اس کی اس طرح خدمت کرتے کہ وہ بے اختیار ہوکر اپنی نعمتیں آپ کے سپرد کردیتا۔

اپنے زمانے میں آپ کو بڑا اقتدار حاصل تھا۔ سلطان محمد تغلق نے آپ کو شیخ الاسلام کا منصب اور علاقہ سیوستان میں خانقاہ محمدی اور مضافات کی سند عطا کی تھی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد آپ نے سب کچھ ترک کردیا اور حج کے لیے روانہ ہوگئے۔

فیروز تغلق بھی آپ کا بڑا ادب کرتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے ٹھٹھہ کا دوسری مرتبہ محاصرہ کیا تو اگرچہ وہ اس سے پہلے سندھیوں کے ہاتھ سے سخت تکلیف اُٹھا چکا تھا۔ اور اس کا دل ان کے خلاف غصے اور جوشِ انتقام سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے مخدوم جہانیاں کی سفارش پر انھیں بالکل معاف کردیا اور

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کوئی سزا نہ دی۔

فیروز تغلق شیخ الاسلام شیخ علاء الدین اجودھنی بنسیہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کا مُرید تھا۔ لیکن مخدوم جہانیاں کا وہ جس طرح پاس کرتا تھا' اس کے متعلق عفیف تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے :-

"روایت ہے کہ حضرت سیّد جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر دوسرے یا تیسرے سال بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لیے اچہ سے فیروز آباد تشریف لاتے۔ بادشاہ اور جناب سیّد کے درمیان بے حد محبت تھی اور ہر دو بزرگوار اس محبت میں اضافہ کرنے کی سعی فرماتے تھے۔

حضرت سیّد جب اچہ سے تشریف لاتے اور فیروز آباد کے نواح میں پہنچے تو بادشاہ مسند تک حضرت کے استقبال کو جاتا اور ملاقات کے بعد جناب ممدوح کو بے حد اعزاز کے ساتھ شہر میں لاتا۔

جنابِ سیّد کبھی تو منارہ سے متصل کوشک معظم کے اندر اور کبھی شفا خانے میں' کبھی شاہزادہ فتح خان کے خطیرہ میں قیام فرماتے تھے۔

مختصر یہ کہ جناب سیّد اپنے قیام گاہ سے مقررہ طریقے کے مطابق بادشاہ سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے اور جیسے ہی حضرت ممدوح محل حجاب میں پہنچ کر سلام کرتے بادشاہ باوجود اس عظمت و شان کے تخت گاہ پر ایستادہ ہو جاتا اور بے حد تواضع کے ساتھ جناب سیّد سے ملاقات کرتا اور اس کے بعد ہر دو بزرگ بالائے بام خانہ تشریف فرما ہوتے۔

جب حضرت سیّد واپس ہوتے اس وقت بھی فیروز شاہ بالائے بام خانہ تعظیم کے لیے ایستادہ ہوتا۔ اور جب تک کہ حضرت ممدوح محل حجاب تک نہ پہنچتے بادشاہ اسی طرح کھڑا رہتا۔

حضرت سیّد بادشاہ کو سلام کرتے اور بادشاہ جواب میں سلام کرتا۔ اور جب حضرت ممدوح نظر سے غائب ہو جاتے اُس وقت بادشاہ بیٹھ جاتا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سُبحان اللہ! کیا حُسنِ ادب تھا، جو بادشاہ جنابِ سیّد کے لیے بجالاتا تھا۔
فیروز شاہ بھی دوسرے تیسرے روز جنابِ سیّد کے قیام گاہ پر حضرت سے مُلاقات کرنے کے لیے حاضر ہوتا اور یہ دو بزرگ باہم ایک جا ہو کر محبت آمیز گفتگو فرماتے تھے۔ اچہ اور دہلی کے باشندے اپنی حاجات جنابِ سیّد کے حضور میں عرض کرتے اور حضرت سیّد اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان حاجات کو قلم بند کریں۔
جب بادشاہ حضرت کی ملاقات کو آتا تو جنابِ ممدُوح وہ کاغذ فیروز شاہ کی خدمت میں پیش فرماتے اور بادشاہ اس کاغذ کو غور سے ملاحظہ فرما کر ہر حاجتمند کی اس معروضے کے مطابق حاجت روائی کرتا۔ چند روز کے بعد جنابِ سیّد فیروز آباد سے اچہ روانہ ہو جاتے اور حضرت شاہ اسی طرح ایک منزل مشائعت کرتا۔[۱]
حضرت مخدوم جہانیاں جس ہمت و استقلال کے ساتھ دوسرے سہروردی بزرگوں کی طرح اپنے اثر و رسُوخ کو حاجتمندوں کی مطلب براری کے لیے صرف کرتے تھے۔ اس کی سیر العارفین میں ایک دلچسپ مثال درج ہے۔ شیخ جمالی لکھتے ہیں کہ فیروز تغلق کا وزیر خان جہاں تلنگی شروع میں حضرت کا مخالف تھا۔ ایک دفعہ اس نے ایک نویسندہ کے بیٹے کو کسی بات پر قید کر لیا۔ اس کا باپ حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس پہنچا اور آپ خان جہاں کے پاس سفارش کے لیے گئے۔ لیکن اس نے اندر ہی سے کہلا بھیجا کہ نہ میں شیخ سے ملوں گا اور نہ اس کی سفارش مانوں گا۔ اس سے کہدو کہ میرے دروازے پر نہ آئے۔ کہتے ہیں کہ شیخ اُنیس ۱۹ مرتبہ خان جہاں کے دروازے پر گئے اور ہر دفعہ یہی جواب سُنا۔ انیسویں مرتبہ خان نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ اے سیّد! کیا تم میں ذرہ بھر غیرت نہیں کہ میں نے اتنی مرتبہ جواب دیا اور تم پھر بھی چلے آتے ہو۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے جواب دیا کہ اے عزیز من! میں جتنی مرتبہ آتا ہوں اس کا

---

[۱] ملاحظہ ہو (ترجمہ) تاریخ فیروز شاہی از عفیف (دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ) ص ۱۲۵۔ ۳۲۳

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ثواب مجھے مل جاتا ہے، لیکن ایک مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کو تمھاری قید سے رہائی دلواؤں تاکہ اس کا نیک اجر تمھیں بھی ملے۔ یہ سُن کر خان جہاں کا دل نرم ہوا۔ وہ باہر آیا۔ حضرتِ شیخ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا، اور ان کے ارشاد کی تکمیل کی۔

آپ کے حالات میں کئی کتب تصنیف ہوئیں۔ مثلاً خزانہ جلالی[1]، تاریخِ محمدی، مناقب قطبی۔ ان میں سے کوئی چیز ہماری نظر سے نہیں گزری اور غالباً سب کی سب ابھی زیورِ طباعت سے محروم ہیں[2]۔ لیکن آپ کے ملفوظات کی دو جلدیں الدرّ المنظوم فی ملفوظ المخدوم[3] کے نام سے اُردو میں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہیں ان میں فوائد الفواد والی بات کہاں۔ لیکن ان سے ملتان اور اچہ کے رُوحانی

---

[1] اچہ شریف کے سفر میں سجادہ نشینِ حال کی مہربانی سے اس کتاب کا قلمی نسخہ دیکھنے کا موقع ملا۔ مسائل اور ارشادات کی ایک مبسوط کتاب ہے۔ سوانحی حالات بہت کم ہیں۔

[2] سندھ اور مغربی پنجاب کی رُوحانی تاریخ لکھنا اس لیے مشکل ہے کہ یہاں زیادہ تر سہروردیوں نے کام کیا اور سہروردیوں کی بہت کم کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ مثلاً حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات اور حالات کے علاوہ شیخ صدر الدین ابن شیخ بہاء الدین زکریا کے ملفوظات کنز الفوائد۔ شیخ رکن الدین کے ملفوظات اور حالات وغیرہ مثلاً فتاوائے صوفیہ جمع الاخیار کا اخبار الاخیار میں ذکر ہے۔ لیکن آج ہم ان سے محروم ہیں۔ اسی طرح مولانا آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں تذکرہ مشائخ سندھ کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب بھی باوجود تلاش کے ہمیں دستیاب نہیں ہوئی۔

[3] ایک بار ۷۸۱ھ میں آپ دہلی تشریف لائے۔ اس وقت سلطان فیروز تغلق مہم سامانہ کے سلسلے میں دہلی سے باہر گیا ہوا تھا۔ آپ کو اس کی ملاقات کے لیے دہلی میں دس مہینے رُکنا پڑا۔ اس دوران میں لوگ آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر مذہبی۔ فقہی۔ صوفیانہ مسائل پر سوالات کرتے تھے۔ اور آپ جواب دیتے تھے۔ ان تمام ملفوظات کو آپ کے مرید نے جامع العلوم کے نام سے ترتیب دیا تھا۔ الدرر المنظوم اس کا اُردو ترجمہ ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پسِ منظر سے تھوڑی بہت واقفیت ہو جاتی ہے۔

آپ کے ملفوظات سے پتا چلتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر شدت سے عامل تھے۔ اور دوسرے سہروردی بزرگوں کی طرح غیر شرعی امور پر سختی سے ملامت کرتے۔ ایک مرتبہ اُچہ میں ایک شخص وارد ہُوا جو اپنے تئیں ولی اللہ کہتا تھا۔ عوام الناس اس کے پاس کثرت سے آنے جانے لگے۔ مخدوم جہانیاں بھی گئے۔ جب اس کے پہلو میں جا کر بیٹھے تو وہ بڑے جلال سے بولا: "اے سید! ابھی ابھی حق تعالےٰ میرے پاس سے اُٹھ کر گیا ہے"۔ آپ یہ سُن کر غضب ناک ہو گئے۔ فرمایا کہ "اے بدبخت! تو کافر ہو گیا۔ پھر سے کلمہ شہادت پڑھ اور مسلمان ہو"۔ اور قاضیٔ شہر کے پاس جا کر شکایت کی کہ اس کو طلب کرو۔ اگر توبہ کرے تو معاف کر دو ورنہ حدِ شرعی جاری کر دو۔ اور قتل کرو۔ چونکہ اس شخص کے ماننے والے کئی تھے۔ اس لیے قاضی کو اس معاملے میں تامل تھا۔ لیکن آپ نے عالمِ شہر کو کہلا بھیجا کہ ایک شخص شہر میں کفر پھیلا رہا ہے۔ اگر تم نے اسے سزا نہ دی تو میں بادشاہ کے پاس شکایت کروں گا۔ چنانچہ وہ شخص شہر بدر کر دیا گیا۔ (الدر المنظوم ص ۲۱۳)

اسی طرح روہڑی کے قریب ایک غار میں ایک درویش رہتا تھا، جو کہتا تھا کہ خدائے تعالےٰ نے مجھے نماز معاف کر دی ہے۔ آپ اس کے پاس پہنچے۔ اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ رسولِ اکرمؐ کا قول ہے الفرق بین المومن والکافر الصلوٰۃ۔ درویش نے جواب دیا: سیدا! میرے پاس جبریل آتے ہیں۔ بہشت کا کھانا لاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کا سلام پہنچاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تمہارے لیے نماز معاف کر دی گئی۔ مخدوم جہانیاں نے غضب ناک ہو کر کہا: بے ہودہ مت بکو۔ محمدؐ رسول اللہ صلعم کے لیے تو نماز معاف نہیں ہوئی۔ تجھ جیسے جاہل کے لیے کیسے معاف ہو سکتی ہے۔ اور وہ تو شیطان ہے، جو تمہارے پاس آ کر کہتا ہے کہ تمہارے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیے نماز معاف ہو گئی ۔ القصہ اس سے توبہ کرائی اور جو نمازیں فوت ہوئی تھیں ان کی قضا پڑھوائی ۔

الدر المنظوم میں بعض جگہ حضرت مخدوم کے ہاتھ پر ہندوؤں کے مسلمان ہونے کا ذکر ہے ۔ ایک جگہ گجرات کے ایک راجپوت (مولی الاسلام) کا ذکر ہے ، جو حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ۔ اور جسے آپ نے تعلیم دے کر گجرات اس لیے بھیجا کہ "اپنے گھر والوں اور قوم کو مسلمان" کرے ۔ (ص ۳۲)

آرنلڈ بھی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ مخدوم جہانیاں نے گجرات میں اشاعتِ اسلام کا کام کیا ۔ حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم جن کے مزار احمد آباد گجرات میں مرجع خاص و عام ہیں ۔ آپ کے پوتے اور پڑپوتے تھے ۔

ل انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کے تیئیسویں اجلاس میں ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی نے ایک دستاویز کا ذکر کیا ہے ۔ جس سے سلطان محمود بیگڑہ کی فتح گرنار، حضرت مخدوم جہانیاں کی تبلیغی کوششوں اور سہروردیوں کے صوفیانہ نظام پر روشنی پڑتی ہے ۔ کاٹھیاواڑ میں شیخ صاحب منگرول کی ریاست ہے ۔ جن کے مورثِ اعلیٰ سید سکندر بن مسعود کو حضرت مخدوم جہانیاں نے اس علاقے میں ارشاد و ہدایت کے لیے بھیجا تھا ۔ جب فیروز تغلق کے بعد حکومتِ دہلی کمزور ہو گئی تو گرنار کے ہندو مقدم نے سر اٹھایا اور مسلمانوں سے کہا کہ وہ اپنی ڈاڑھیاں منڈائیں ۔ گاؤکشی سے توبہ کریں اور مسجدوں میں شیولنگ نصب کر کے اس کی پوجا کریں ۔ اس پر منگرول (سابق منگلور) کے سجادہ نشین نے حضرت شاہ عالم صاحب کو جو اس وقت احمد آباد میں بڑا اقتدار رکھتے تھے، لکھا کہ ہمارے بزرگوں کو آپ کے پردادا حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہ نے یہاں بٹھایا تھا ۔ اور آج ہمارے سر پر یہ گزر رہی ہے ۔ شاہ صاحب نے جواب میں لکھا کہ آپ کوئی فکر نہ کریں ۔ خدا کارساز ہے ۔ آپ فلاں فلاں ورد و وظیفے پڑھتے رہا کریں اور انشاءاللہ میں بھی پوری کوشش کروں گا ۔ چنانچہ جلد ہی سلطان محمود بیگڑہ نے گرنار فتح کر لیا اور سارا علاقہ اسلامی مقبوضات میں داخل ہوا ۔ (ملاحظہ ہو انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کی کارروائی ۱۹۴۶ء)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مغربی پنجاب کے جن قبیلوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ بہاولپور کے سرکاری گزنٹیر میں ان کی فہرست درج ہے۔ ان قبیلوں کی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے۔ اور ان میں کھرل راجپوتوں کا مشہور اور بڑا قبیلہ بھی شامل ہے۔ آپ کا فیض ہندوستان کے سب علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ کبھی اوچ، کبھی دہلی، کبھی بنڈدہ، کبھی جونپور۔ اس سے ارشاد و ہدائت کا ایک وسیع سلسلہ قائم کرنے کا موقع ملا۔ اور آپ کے مریدوں میں اودھ اور بلادِ شرقی کے بھی کئی خانوادے تھے۔ چنانچہ آپ کے خلفا میں سے آپ کے بھائی راجو قتالؒ کے علاوہ لکھنؤ کے شیخ قوام الدینؒ ایرج کے شیخ یوسف بدہ اور دہلی کے کئی بزرگوں کے نام لیے جاتے ہیں۔ آپ کی وفات ۱۳۸۴ء میں ستتر برس کی عمر میں ہوئی۔

سیّد راجو قتالؒ

حضرت مخدوم جہانیان کے بھائی سید صدرالدین المعروف راجو قتال بھی جو ان کے بعد آبائی مسند پر بیٹھے، بڑے صاحبِ اثر بزرگ گزرے ہیں۔ انھوں نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کیے تھے۔ اس لیے انھیں قتال یعنی قتالِ نفس کہتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ غیر معمولی ریاضتوں کی وجہ سے آپ کے مزاج پر کسی حد تک خشکی غالب آگئی تھی۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث آپ کی نسبت لکھتے ہیں: "پیوستہ در عالم استغراق بود و با خلق انبساط و اختلاط نہ کردے۔"

سیر العارفین میں آپ کی جلالی شان اور شدتِ حال کے کئی مظاہرے بیان ہوئے ہیں۔ لیکن آپ کے اس رنگِ طبیعت اور سہروردیوں کے تبلیغی اسلامی جوش کا اندازہ نواہرن نامی ہندو تحصیلدار کے واقعہ سے ہو سکتا ہے، جسے مسلمان بنانے یا کم از کم ثابت کرنے کے لیے سید راجو قتال نے اُچھ سے دہلی کا سفر کیا!

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب حضرت مخدوم جہانیان مرض الموت میں

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بھتے تو وہاں کا ہندو تحصیلدار بیمار پُرسی کے لیے آیا اور دورانِ گفتگو میں کہنے لگا کہ جس طرح خدائے تعالیٰ نے رسولِ عربی کو ختم الانبیا بنایا تھا، اسی طرح حضرت مخدوم جہانیاں ختم الاولیا ہیں۔ نواہون کے اس فقرے پر سید راجو قتال نے کہا کہ رسولِ اکرم کو آخری نبی ماننے سے تم مسلمان ہو گئے۔ اب اسلام کے احکام بجا لانے تم پر لازم ہیں۔ ورنہ تم مُرتد سمجھے جاؤ گے۔ نواہون مسلمان ہونے پر راضی نہ تھا۔ چنانچہ وہ بھاگ کر دہلی پہنچا۔ اور فیروز تغلق بادشاہِ دہلی کی خدمت میں سب حال عرض کیا۔ ادھر جب حضرت مخدوم کی تجہیز و تکفین سے سید راجو قتال فارغ ہوئے تو انھوں نے بھی دہلی کا رُخ کیا۔ جب بادشاہ نے یہ خبر سُنی تو اُس نے علماء سے اس امر میں استصواب کیا۔ اس نے نواہون کو مسلمان ہونے کے لیے کہا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ اب بادشاہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسا راستا ڈھونڈا جائے، جس سے سید صدرالدین بھی ناراض نہ ہوں اور نواہون پر بھی ناواجب جبر نہ ہونے پائے۔ حاضرینِ دربار میں سے قاضی عبدالمقتدر کا لڑکا شیخ محمدؒ ایک تیز طبع اور ذہین نوجوان تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ جب سید آئیں تو ان سے کہنا کہ کیا آپ نواہون کافر کا قضیہ فیصل کرنے آئے ہیں۔ ظن غالب ہے کہ وہ "ہاں" کہیں گے۔ اور پھر ان کے لیے نواہون کو مسلمان کہنا مشکل ہو جائے گا۔ بادشاہ کو یہ بات پسند آئی۔ چنانچہ جب سید راجو قتال تشریف لائے تو بادشاہ نے ان سے یہی سوال کیا۔ لیکن سید صاحب نے فوراً جواب دیا کہ مَیں تو نواہون مسلمان کا، جس نے میرے اور معتبر گواہوں کے سامنے اسلام کا اقرار کیا ہے، فیصلہ کرنے آیا ہوں۔ اس پر شیخ محمدؒ بن قاضی عبدالمقتدر بولا کہ اس نے مناسب طریقے پر اور دل سے اسلام کا اقرار نہیں کیا۔ اور اس کا اسلام شرعی طریقے پر ثابت نہیں ہوتا۔ آپ اسے کس طرح مسلمان کہتے ہیں۔ اس پر سید راجو قتال کو طیش آیا۔ انھوں نے غصّے سے لڑکے کی طرف دیکھا۔ تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ وہ اُسی وقت دردِ شکم سے تڑپنے لگا۔ اور تھوڑی دیر بعد مر گیا۔ بادشاہ نے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب یہ واقعہ دیکھا تو اس نے چُپ چاپ نواہون کو سید قتال کے حوالے کر دیا۔ آپ نے اسے مسلمان ہونے کے لیے کہا۔ لیکن وہ نہ مانا اس پر آپ نے ارتداد کا الزام دے کر اس کی گردن کاٹ دی[1]۔

ملکی تاریخ میں آپ کا نام اس واقعے کی وجہ سے آجاتا ہے۔ لیکن آپ کا اصل کام اُچہ میں اشاعتِ اسلام اور گجرات وغیرہ کے صاحبِ ہمت بزرگوں کی تربیت ہے جنھیں آپ نے علومِ باطنی سے مالا مال کر کے گجرات کے قدیمی دارالخلافے میں اشاعتِ اسلام کے لیے بھیجا۔ آپ کی وفات ۸۲۷ھ میں ہوئی۔

آپ کے بعد اس خاندان کے اور کئی بزرگوں نے اچہ کو صوفیانہ ارشاد و ہدایت اور اشاعتِ اسلام کا بڑا مرکز بنائے رکھا۔ لیکن جب پندرھویں صدی کے آخر میں سید محمد غوث گیلانی قدس سرہ یہاں اقامت پذیر ہوئے اور سہروردیہ سلسلے کے علاوہ قادریہ سلسلے کا بھی یہ مقام مرکز بن گیا تو اس کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ یہاں ملتان، لاہور اور دہلی کی طرح کسی بزرگ کی قبر پر کوئی عالی شان روضہ نہیں۔ لیکن پھر بھی اچہ کی خاکِ پاک میں ایک خاص کشش پائی جاتی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث لکھتے ہیں: "گو سید زمینِ اچہ و صحرائے او کیفیتے و حالتے دارد کہ در زمین ہائے دیگر نیست!"

مغربی پنجاب میں اشاعتِ اسلام

ملتان اور اُچہ کے بزرگوں کے جو حالات ہم نے صفحاتِ بالا میں درج کیے ہیں وہ بیشتر اولیا کے تذکروں اور مشائخ کے ملفوظات سے ماخوذ ہیں۔ ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں یہ کتابیں بڑی کار آمد ہیں اور اگر عقیدت مند مرید انھیں ترتیب نہ دے جاتے تو مذہبی زندگی کے کئی باب کورے رہتے لیکن افسوس ہے کہ ان کتابوں میں زور ان باتوں پر دیا گیا ہے جن کی قدر و قیمت زمانے کے ہاتھوں کم ہو گئی

---

[1] سیر التارخین صرہ ۱۵۹- ۱۶۰

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے ۔ کرامات اور خارق العادت واقعات کے تو ان تذکروں میں طومار بندھے ہوئے ہیں لیکن بزرگوں کے تبلیغی کارناموں اور ان کی خالص بشری خوبیوں اور اخلاق و عادات سے بڑی بے اعتنائی برتی گئی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر تفتیشِ حالات کے لیے کوئی اور ماخذ نہ ہوتا تو معترض کہہ سکتے تھے کہ چونکہ صوفیائے کرام کے اپنے تذکروں میں اشاعتِ اسلام کا خاص ذکر نہیں ۔ اس لیے دورِ حاضر کے مسلمانوں کا یہ دعوٰے کہ ہندوستان میں اسلام بادشاہوں کی تلوار سے نہیں بلکہ اہل اللہ کے فیض و برکت سے عام ہوا ہے ۔ درخورِ اعتماد نہیں ۔

لیکن خوش قسمتی سے تحقیق واقعات کا ایک اور اہم ماخذ بھی ہے ۔ گورنمنٹ نے مختلف اضلاع اور علاقوں کے جو گزیٹیر مرتب کرائے ہیں، ان میں مقامی باشندوں کی مذہبی سرگزشت کا بھی ذکر آتا ہے ۔ بعض رپورٹیں (مثلاً صوبہ سرحد اور بلوچستان اور صوبہ سندھ کے اضلاع کی) تو اس بارے میں بڑی مایوس کن ہیں اور ان میں سطحی معلومات کو دوسری رپورٹوں اور عام مروجہ کتب سے نقل کر دیا گیا ہے، لیکن جہاں کہیں یہ رپورٹیں قابل اور اہل علم افسروں کے قلم سے لکھی گئی ہیں، وہاں مقامی معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، جس سے علاقے کی مذہبی تاریخ پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ مغربی پنجاب اس معاملے میں بڑا خوش قسمت رہا ہے اور ملتان، منٹگمری اور ریاست بہاولپور کی رپورٹوں سے مذہبی مورخ کو بیش قیمت مدد ملتی ہے ۔

ضلع ملتان کا گزیٹیر سر ایڈورڈ میکلیگن نے مرتب کیا تھا، جو ایک زمانہ میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے نائب صدر رہے تھے ۔ اور اپنی تاریخی تصانیف کی وجہ سے اہل علم میں ممتاز ہیں ۔ اپنی رپورٹ میں سر ایڈورڈ نے علاقے کی مذہبی تاریخ پر بھی تفصیلی تبصرہ کیا ہے ۔ اور ممالک اسلامی میں تاتاریوں کی تباہ کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"ایک لحاظ سے خراسان اور مغربی ایران کی تباہی سے ہندوستان کے اس

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حصّہ (مغربی پنجاب) کو فائدہ پہنچا - کیونکہ اس کی وجہ سے علماء و صلحا کی ایک کثیر تعداد یہاں آ گئی - جن میں سے بعض تو دارالسلطنت دہلی کی طرف چلے گئے لیکن بہت سے ملتان کے علاقے میں ہی بس گئے - غوری افغانوں کی ابتدائی ہلچل کے زمانے میں ہی گردیزی سیدوں کا ایک خاندان اس ضلع میں آباد ہوا تھا - اس سے کچھ عرصہ بعد لیہ ضلع ڈیرہ غازی خاں کے قریب کوٹ کروڑ میں خوارزم سے آکر قریشیوں کا ایک خاندان آباد ہوا جس میں شیخ بہاء الدین زکریا بہاالحق پیدا ہوئے، جنھوں نے تمام اسلامی دُنیا کی سیر و سیاحت کے بعد ملتان کو اپنا مستقر بنایا - اسی زمانے میں سبزوار سے پیر شمس تبریز اور کاشان سے قاضی قطب الدین ملتان تشریف لائے اور پاکپتن میں بابا فرید گنج شکر اور دہلی میں (ملتان کے راستے سے) خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ رونق افروز ہوئے - اچہ میں سید جلال بخاری جو ملتان، مظفر گڑھ اور بہاولپور کے کئی خانوادوں کے مورثِ اعلےٰ ہیں - اسی زمانہ میں تشریف لائے اور انھی ایام کے لگ بھگ سلطان سخی سرور نے فروغ پایا - جن کے والد بخارا سے آکر ضلع ملتان کے شہر سکوٹ میں آباد ہوئے تھے -

ان مقدس ہستیوں اور ان کے بے شمار رفقاے کار نے اس علاقے کے ہندوؤں میں اسلام پھیلانے کا بیڑا اٹھایا اور یہ ان بزرگوں کی تلقین اور ان کے اثر کا، نہ کہ کسی بادشاہ کی تیغ آزمائی کا نتیجہ ہے کہ اب مغربی پنجاب کے اکثر باشندے مسلمان ہیں - ابتدا میں مسلمانوں نے اشاعتِ اسلام سے جو سرد مہری برتی تھی، وہ اس مذہبی جوش کی وجہ سے جو منگولوں اور مسلمانوں کی کشمکش میں پیدا ہوا، جاتی رہی - اب ایک بادشاہ کے مقبرے میں ایک مذہبی بزرگ (شیخ رکن العالم) کو جگہ ملی اور اس زمانے سے ملتان کی ان مقدس ہستیوں اور مقدس مقامات کا آغاز ہوا جن کی بدولت ملتان کو تمام اسلامی دنیا میں ایک غیر معمولی شہرت حاصل ہے -

سر ایڈورڈ میکلیگن نے مختلف قبیلوں کا ذکر کرتے ہوئے بعض مشہور قبائل

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے قبولِ اسلام کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ مثلاً راجپوتوں میں سیال ایک مشہور قبیلہ ہے، جو ملتان، منٹگمری، جھنگ (سیالان) میں کثرت سے آباد ہے۔ یہ قبیلہ بابا فرید گنج شکر کے ہاتھ پر مسلمان ہُوا تھا۔ نون مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ اور جو یہ راجپوتوں کو شیخ رکن العالم نے مسلمان کیا۔

سر ایڈورڈ میکلیگن نے مختلف قبائل کی نسبت جو تفصیلات دی ہیں، ان پر مسٹر پورن اور مسٹر ڈیس نے، جنھوں نے منٹگمری کا گزیٹیر مرتب کیا ہے۔ بعض باتیں اضافہ کی ہیں۔ وہ کھرل راجپوتوں کی نسبت لکھتے ہیں کہ ان کا مورثِ اعلیٰ ہستناپور کا راجا کرن تھا۔ اس کے ایک جانشین بھوپلے نے ہستناپور چھوڑ کر اچہ میں رہائش اختیار کی اور یہاں بھوپا اور اُس کے بیٹے کھرل نے حضرت مخدوم جہانیان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اچہ سے یہ قبیلہ بڑھتا بڑھتا دریائے راوی کے دونوں طرف پھیل گیا۔ اسی طرح دولو قبیلہ کو جو ستلج کے دونوں بازوؤں پر ساٹھ میل تک اور علاقہ گوگیرہ میں آباد تھا، بابا فرید نے مسلمان کیا۔ سیالوں کی نسبت اس گزیٹیر میں لکھا ہے کہ وہ ۱۲۵۸ء کے قریب بابا فرید کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

بزرگانِ کبار کی ان کوششوں کے علاوہ اس گزیٹیر کے ایک اندراج سے اسلام کی ان جمہوری خصوصیات پر بھی روشنی پڑتی ہے، جن سے اشاعتِ اسلام کا کام آسان ہوگیا۔ اچھوت اقوام کے ضمن میں اس رپورٹ میں لکھا ہے: "مُصلّی، اگرچہ اب کی مردم شماری سے اچھوت اقوام میں شمار نہیں ہوتے۔ لیکن ان کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ہندو چوہڑے تھے، جو مسلمان ہو کر مُصلّی بن گئے۔ ان کی تعداد اس ضلع میں چھیالیس ہزار سے زیادہ ہے۔ دیہات میں تو وہ خاکروبی اور کھیتوں میں مزدوری کرتے ہیں، لیکن شہروں میں وہ مختلف اقسام کے کئی پیشے جنھیں ہندو چوہڑے اختیار نہیں کر سکتے، اختیار کر لیتے ہیں۔ اور جولاہوں، باورچیوں، بہشتیوں، رنگسازوں کا بھی کام کرتے ہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ظاہر ہے کہ اگر چوہڑے اور اس طرح کے دوسرے پسماندہ قبیلے جن پر ہندو ہونے کی صورت میں ذلیل ترین پیشوں کے علاوہ باقی سب اقتصادی دروازے بند تھے۔ مسلمان ہو کر تمدنی لحاظ سے اس طرح ترقی کر سکتے تھے تو پھر ان کے لیے مسلمان ہونا کس قدر آسان اور دنیوی نقطۂ نظر سے بھی کس قدر مفید ہوگا۔

سندھ میں اشاعتِ اسلام

سیاسی حالات ہم ذکر کر چکے ہیں کہ سندھ میں عرب حکومت کے کمزور ہو جانے پر شمالی سندھ میں ملتان اور جنوبی سندھ میں منصورہ دو خود مختار ریاستیں قائم ہوئیں، جن پر ایک زمانے میں قرامطہ قابض ہو گئے۔ سلطان محمود غزنوی نے انھیں شکست دے کر یہ مقامات اپنی سلطنت میں شامل کر لیے، لیکن جب وہ ان دور افتادہ مقامات پر اپنا ضبط قائم نہ رکھ سکے تو قرمطیوں نے پھر سر اٹھایا اور سلطان محمد غوری کو از سرِ نو انھیں زیر کرنا پڑا۔ اس کے بعد کچھ دیر تک سندھ حکومت دہلی کے ماتحت رہا۔ صوبیدار کا صدر مقام ملتان تھا اور وہ مغربی پنجاب اور سندھ کا حکمران ہوتا تھا۔ ملتان کے تین صوبیدار ناصر الدین قباچہ، خان شہید ابن غیاث الدین بلبن اور غازی ملک المعروف غیاث الدین تغلق تاریخ میں خاص طور پر مشہور ہیں۔

اس زمانے میں سندھ کے بعض حصوں کو ایک حد تک خود مختاری حاصل تھی اور کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں، جن میں سے بعض ہندو راجاؤں کے تابع تھیں، دہلی اور ملتان کے منتظم اور باا‌ثر حاکموں کی تو اطاعت کرتیں، لیکن جب موقع ملتا، خود مختاری کا رنگ اختیار کر لیتیں۔ ان حکمرانوں میں سے ٹھٹھہ کا سومرہ خاندان خاص طور پر مشہور ہے۔ جس کا اثر اور اقتدار کسی نہ کسی صورت میں صدیوں تک برقرار رہا۔ ان لوگوں کا دعویٰ تھا کہ وہ عراق کے شہر سامرہ سے حجاج بن یوسف کے عہد میں آئے تھے۔ لیکن ان لوگوں کے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نام ہندوانہ تھے۔ انگریز مورخین کی رائے ہے کہ وہ اصل میں راجپوت تھے اور مسلمانوں اور عربوں میں اپنا اثر بڑھانے کے لیے اپنے حسب و نسب کے متعلق غلط دعوے کرتے تھے۔ سید سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ وہ "عربی ہندو مخلوط تھے"۔ اسمٰعیلی مذہب کے پیرو تھے اور جس طرح قرمطی اور اسمٰعیلی اسلامی عقائد کے ساتھ ہر جگہ کے کچھ مقامی مراسم اور اعتقادات کو شامل کر لیتے تھے، تبلیغ میں آسانی کے لیے ان لوگوں نے بھی کیا تھا۔ اس لیے ان میں ہندوانہ نام اور رسمیں آگئی تھیں۔ دونوں رائیں قیاس پر مبنی ہیں۔ اتنا یقینی ہے کہ سومری صحیح طور پر عرب سُنی مسلمان نہ تھے۔ ان کے نام اور کئی رسمیں ہندوانہ تھیں۔

محمد تغلق کے زمانے میں شاہِ دہلی اور سومریوں میں کشمکش شروع ہوئی اور اس دوران میں جنوبی سندھ کی حکومت سومریوں سے نکل کر سمہ قوم کے ہاتھ میں آگئی۔ اس موقع پر فرشتہ لکھتا ہے "در آخر عہد شاہ محمد تغلق شاہ بسعی و امداد مسلمانان دولت از خاندان طبقہ سومرگان بفرقہ سمگان منتقل شد و اکثر حکام ایشاں بدولت اسلام اختصاص داشتند" اس سے خیال ہوتا ہے کہ سومری صحیح طور پر مسلمان نہ تھے بلکہ سمہ قبیلے کے سارے حکام بھی دولتِ اسلام سے شرفیاب نہ تھے!

سمہ خاندان سے سلطان فیروز شاہ تغلق کی چپقلش ہوئی۔ شروع میں تو بادشاہ کو کامیابی نہ ہوئی اور اسے گجرات ناکام واپس جانا پڑا۔ لیکن اگلے سال وہ زیادہ فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ سمہ سردار نے کام بگڑتا دیکھا تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس بمقام اچہ قاصد بھیجا۔ اور درخواست کی کہ بادشاہ سے مصالحت کرادیں۔ حضرت مخدوم تشریف لائے اور فریقین میں مناسب شرائط پر صلح کرادی۔ ان شرائط میں سے ایک یہ تھی کہ سمہ سردار (تماچی) اور دوسرے اُمرا فیروز تغلق کے ساتھ دہلی جائیں گے اور وہاں رہیں گے۔ اس خاندان کے پہلے تین سرداروں کے نام ہندوانہ ہیں (جام اونر، جام جونا، جام تماچی) فرشتہ نے اس سے قیاس کیا ہے کہ پہلے تین سردار ہندو تھے اور بعد کے مسلمان ہوگئے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سید سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ یہ لوگ شروع میں اپنا قومی نام رکھتے تھے۔ بعد میں سلاطین دہلی کی پیروی میں عربی القاب اختیار کرنے لگے۔ لیکن سلطنت پانے سے پہلے ہی سب مسلمان ہو گئے تھے۔ سندھ گزیٹیر کے مصنف کا خیال ہے کہ علاقہ کچھ کے جادیجہ راجپوتوں کی طرح جو سمہ لوگوں کے ہم قوم تھے (اور جن کی نسبت ان کے رلیجا کا بیان ہے کہ دو ہزار جادیجوں میں سے تین کو بھی پتا نہیں کہ ان کا مذہب کیا ہے!) یہ لوگ بھی ایک عرصہ تک مخلوط مذہب کے پیرو ہوں گے اور پھر مسلمان ہو گئے۔ چوتھا (یا ایک ترتیب سے پانچواں) سمہ سردار بچپن میں ہی بطور یرغمال دہلی گیا تھا۔ اس کا نام تاریخ میں تیر الدین درج ہے۔ وہ دہلی کی اسلامی فضا سے متاثر ہوا اور قرین قیاس ہے کہ اپنے عہد حکومت میں اس نے اپنی قوم کو ایک ڈھب پر لانے کی کوشش کی ہوگی۔ سمہ لوگوں کی حکومت سندھ میں دیر تک رہی اور ٹھٹھہ کے علاوہ ایک وقت بھکر اور سہوان تک کا سب علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔

سمہ خاندان کا سب سے بڑا حاکم جام نظام الدین عرف جام نندا تھا۔ جس نے ساٹھ سال حکومت کی اور موجودہ شہر ٹھٹھہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے پیشرو جام سنجر کا ایک دلچسپ قصہ بیان کرتے ہیں جو معاصرانہ حالات اور سندھی حکام کی قدیمی روش پر روشنی ڈالتا ہے۔ ایک دفعہ جام سنجر نے سُنا کہ شہر بھکر کا قاضی قاضی معروف مقدمات فیصل کرنے کے وقت مدعی اور مدعا علیہ دونوں سے رشوت لیتا ہے۔ جام نے اسے بُلا بھیجا اور استفسار کیا۔ قاضی نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ میں دونوں فریقوں سے کچھ نہ کچھ لیتا ہوں اور میرا تو جی چاہتا ہے کہ گواہوں سے بھی کچھ وصول کر دوں۔ لیکن وہ مقدمہ ختم ہونے سے پہلے ہی چلے جاتے ہیں۔ جام یہ سُن کر ہنسا۔ اس پر قاضی نے کہا کہ اس کے باوجود یہ حال ہے کہ میں تو سارا دن مقدمات میں سر کھپاتا ہوں اور گھر پر میرے بیوی بچے بھوکے مرتے ہیں۔ جام نے یہ سُن کر سمجھ لیا کہ سرکاری عمال کو بہت تھوڑی تنخواہ دینا غلطی ہے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور قاضی کے مشاہرے میں اضافہ کر دیا۔

سمہ حکومت کے اختتام کے بعد تھوڑا عرصہ سندھ ارغون اور ترخان ترکوں کے قبضے میں رہا اور بالآخر ۱۵۹۲ء میں اکبر نے مرزا جانی بیگ کو شکست دے کر سندھ کو پھر حکومتِ دہلی کا باجگزار صوبہ بنا دیا۔

مخدوم لال شہباز قلندرؒ

مشہور اولیا میں سے سب سے پہلے شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے سندھ کی طرف توجہ کی۔ تحفۃ الکرام میں لکھا ہے: "اہلِ سندھ اغلب از مریدانِ آں در آمدہ و اوّل کسے کہ از مشائخ سلسلہ ارشاد در جنبانیدہ اوست" ان کا ذکر ہم کسی قدر تفصیل سے کر چکے ہیں۔ ان کے ایک پیر بھائی اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید شیخ نوح بھکریؒ ان سے پہلے ہی سندھ میں موجود تھے۔ وہ بڑے پاک سیرت بزرگ تھے لیکن ان سے ارشاد و ہدایت کا سلسلہ اتنا وسیع نہیں ہوا جتنا حضرت زکریا ملتانیؒ سے۔ شیخ بہاء الدین کے مشہور مرید جن کا ذکر ہندوستان کے تذکروں میں ملتا ہے اور جن کا مزار سندھ کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔ مخدوم لال شہباز قلندرؒ ہیں۔ ان کا وطن تبریز کے قریب ایک گاؤں مرند میں تھا۔ اصل نام شیخ عثمان تھا۔ تیرہ سلسلوں سے آپ کا نسب امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے جب آپ سنِ بلوغت کو پہنچے تو بابا ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور ایک سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ اس کے بعد خرقۂ خلافت پاکر ہندوستان کا رُخ کیا۔ اور شیخ فریدؒ گنج شکر اور شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی خدمت میں حاضر رہ کر فیض یاب ہوئے۔ شیخ صدر الدین عارفؒ سے آپ کی اکثر صحبت رہتی تھی اور بلبن کا بیٹا خان شہید بھی آپ کا معتقد تھا۔ ضیاء الدین برنی نے

لہ آپ کے حالات زندگی ایک قلمی تذکرہ دلیل الذاکرین میں درج ہیں۔ یہ کتاب پیر حسام الدین راشدی کے کتب خانے میں ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لکھا ہے کہ خان شہید نے بڑی کوشش کی کہ آپ ملتان میں اقامت پذیر ہو جائیں اور اس مقصد کے لیے ایک خانقاہ کی تعمیر بھی شروع کی لیکن آپ نہ مانے۔ البتہ آپ گاہے گاہے خان شہید کی محفل میں جاتے تھے اور شیخ صدرالدین عارف کے ساتھ سماع و رقص میں حصہ لیتے تھے۔

تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ آپ پھرتے پھراتے حضرت بو علی قلندرؒ کی خدمت میں پہنچے، لیکن انھوں نے کہا کہ ہندوستان میں تین سو قلندر ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ سندھ میں ہی تشریف لے جائیں۔ چنانچہ شیخ سندھ میں آکر سیوستان میں مقیم ہوئے اور یہاں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کو مرشد نے شہباز کا خطاب دیا تھا۔ چونکہ آپ اکثر سرخ لباس پہنتے تھے، اس لیے آپ کو لال شہباز کہتے تھے[1]۔ آپ اہلِ علم اور شروع میں شرع کے پابند تھے لیکن قلندری مشرب اختیار کرنے کے بعد بالکل آزاد ہو گئے۔ اور جذب و سکر کی حالت میں رہنے لگے[2]۔ آپ کے طریقے کے قلندروں کو لال شہبازیہ کہتے ہیں

۱؎ برٹن نے ہسٹری آف سندھ میں اس لقب کی ایک مختلف توجیہ کی ہے (ص ۲۰۷) اور یہ بھی لکھا ہے کہ آپ بڑے عالم اور لسانیات اور صرف و نحو میں ماہر تھے۔ (ص ۲۱۱) چنانچہ برٹن کے زمانے (۱۸۵۲ء) میں صرف و نحو کی جو کتابیں رائج تھیں۔ مثلاً میزان صرف اور صرف صغیر کے متعلق قسم دوئم (؟) وہ حضرت لال شہباز قلندر سے منسوب کی جاتی تھیں۔ صوفیانہ تذکروں سے برٹن کے بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔

۲؎ ہم لکھ چکے ہیں کہ سہروردیہ سلسلے میں عام طور پر سماع کا رواج نہیں اور شاید چشتیہ کی نسبت اس سلسلے میں شرع کی زیادہ پابندی ہے۔ لیکن یہ امر قابلِ غور ہے کہ اس سلسلے کے کئی بزرگ ملامتیہ اور بے شرع گروہ میں داخل ہو گئے (مثلاً شیخ بہاءالدین زکریا کے خلیفہ لال شہباز قلندر، شیخ صدرالدین عارف کے خلیفہ شیخ احمد معشوق۔ احمد آباد کے شاہ موسیٰ سہاگ) قلندروں کا ایک گروہ اپنے آپ کو سید جلال بخاری سہروردی کے نام پر

(باقی اگلے صفحے پر)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ کی وفات ۱۲۷۴ء میں ہوئی۔ اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ حکومت میں ملک اختیار الدین والیٔ سیوستان نے مزار پر ایک شاندار روضہ تعمیر کرایا۔

سندھ میں تبلیغِ اسلام

مخدوم لال شہباز کے ایک دو ہمعصر بزرگوں (مثلاً پیر منگھو یا مگر پیر) کے نام ملتے ہیں۔ اور چند ایک ایسے مشائخ کے مزار بھی سندھ میں موجود ہیں جو حضرت لال شہباز سے دو ایک صدیاں بعد مقبولِ عوام تھے۔ لیکن آج کل سندھ میں پیروں کے جو مشہور سلسلے ہیں، ان کا آغاز مغل بادشاہ بابر کے زمانے سے اور بعض صورتوں میں اس سے بھی بعد ہُوا۔ سندھ گزیٹیر کے مصنف کا خیال ہے کہ سندھ میں مسلمانوں کو اکثریت گزشتہ دو تین صدیوں میں حاصل ہوئی ہے۔ وہ کیپٹن الیگزینڈر ہملٹن کا بیان نقل کرتا ہے جس نے ۱۶۹۹ء میں شہر ٹھٹھہ دیکھا اور وہاں ہندوؤں اور مسلمانوں میں دس اور ایک کی نسبت پائی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں حالت بالکل مختلف ہوگئی تھی۔ سندھ گزیٹیر کے مصنف کا خیال ہے کہ اس تبدیلی میں بالائی سندھ کے ان خاندانوں (کلہورا۔ تالپور) کی پالیسی کو دخل ہے، جو مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد سندھ میں برسرِ اقتدار ہوئے اور جنھوں نے زیریں سندھ کے ان شہروں اور علاقوں پر، جہاں ابھی تک ہندو اثرات

جلالی کہتا ہے (اگرچہ اس امر کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں کہ حضرت نے قلندروں کا یہ سلسلہ شروع کیا۔ اور شاید برٹن کا یہ بیان صحیح ہے کہ جلالی فقیر وہ ہیں جو شانِ جلالی دکھانے کے قائل ہیں) اسی طرح مغلیہ سلطنت کے زوال کے وقت جو بے شرع رسول شاہی فرقہ شروع ہُوا اس کے بانی بھی ایک سہروردی بزرگ تھے۔ قادریوں میں آزاد مشرب قلندروں کی اتنی افراط نہیں جتنی سہروردیوں میں ہے۔ لیکن ان میں بھی (لاہور کے) "شیخ حسین اور مادھو لال قادری" کے نام نظر آجاتے ہیں۔ البتہ چشتیوں، بالخصوص نظامی چشتیوں میں سماع کے شوق کے باوجود آزاد اور بے شرع حضرات کے نام بڑی مشکل سے ملیں گے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اثرات غالب تھے، قبضہ جما لیا۔ اس کے علاوہ بلوچ قوم کے عروج نے بھی ان اسلامی رجحانات کو ترقی دی۔ کیپٹن ہملٹن کے زمانے میں اگرچہ حکومت مسلمانوں کی تھی، لیکن ہندوؤں کو پوری آزادی حاصل تھی اور وہ اپنے دن اور تہوار اسی دھوم دھام سے مناتے تھے، جس طرح اپنی حکومت کے دوران میں۔ لیکن تالپور خاندان کے عہدِ حکومت میں بلوچوں کے عروج سے صورتِ حالات مختلف ہو گئی۔

سندھ گزیٹیر میں دو ایسے قبیلوں کے نام لکھے ہیں، جو موجودہ زمانے میں مسلمان ہوئے۔ ایک دھاریجہ قوم کے لوگ ہیں، جو تھوڑا عرصہ ہوا راجپوتانہ سے آکر مسلمان ہوئے تھے۔ وہ تحصیل گھوٹکی (ضلع سکھر) میں کاشتکاری کرتے ہیں۔ دوسرا قبیلہ اندھڑ کہلاتا ہے۔ وہ گھوٹکی، شکارپور اور سکھر میں آباد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے جنیو (زنار) علاقہ بہاولپور میں پیر موسیٰ نواب کی درگاہ پر جمع ہیں۔

سندھ کے مسلمانوں میں پیر پرستی زوروں پر ہے اور گاہے گاہے پیر پرستی کے عجیب و غریب کرشمے ظہور میں آتے ہیں۔ اس کی نمایاں مثال حُر لوگوں کا نظام ہے، جو پیر پگارڑو (پگڑی والے پیر) کے معتقد ہیں۔ ان لوگوں کا مرکز روہڑی کے نزدیک کنگری نام ایک گاؤں ہے جس میں پیر کا کوٹ آباد تھا۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ ان کے مُرشد کا مورثِ اعلیٰ پیر شاہ علی مکی محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آیا اور ایک نو مسلم کی بیٹی سے شادی کی۔ وہ کثیر الاولاد تھا اور اس کے مُریدوں کی تعداد بھی بہت ہو گئی۔ اس خاندان نے مرورِ زمانہ سے بڑی وسعت حاصل کر لی۔ جانشینی کے سلسلے میں کئی دفعہ دعویداروں میں مخالفت کا بازار گرم ہُوا۔ ایک دفعہ ایک ہنگامے میں پیر صبغت اللہ صاحب (جن کے مولٰنا سید احمد بریلوی سے گہرے تعلقات تھے) کے مُعتقدوں نے عہد کیا کہ وہ سوائے پیر پگارڑو کے یعنی اس پیر کے جسے پیشرو سے دستارِ خلافت ملی ہو، کسی کے قائل نہ ہوں گے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پیر نے ان راسخ الاعتقاد مریدوں کو حُرّ کا خطاب دیا۔ ان لوگوں نے اپنے مُرشد کی خوشنودی اور ان کے مخالفین بلکہ اس کے اقربا اور خلفا کا قلع قمع کرنے میں انتہائی سرگرمی دکھائی ہے۔ اور اب سندھ میں ان کا شمار جرائم پیشہ اقوام میں ہوتا ہے۔ ان کی روک تھام کے لیے ایک خاص ایکٹ ہے۔ ان کے ساتھ پولیس کی کئی جھڑپیں ہوئی ہیں اور بعض اوقات تو فوج کی مدد منگانی پڑی ہے۔ خواجہ حسن نظامی اپنی کتاب فاطمی دعوتِ اسلام میں لکھتے ہیں:۔

> حُر فرقے کے ہزاروں آدمی پیر صاحب کو ذاتِ الٰہی کا مظہر اور اوتار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص پیر صاحب کے برابر بیٹھ جائے یا ان سے مصافحہ کرے تو یہ جاہل لوگ اس کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ کیونکہ ان کے عقیدے میں پیر صاحب نور کا ایک پُتلا ہیں۔ اور خاکی انسان جو گناہوں کی پوٹ ہے۔ اگر پیر صاحب کے قریب بیٹھے یا ان سے ہاتھ ملائے تو نورِ خدا کی توہین کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس واسطے وہ واجب القتل ہے۔ حُر قوم کے آدمی پیر صاحب کے مکان کے دروازے کا دیدار کر کے چلے جاتے ہیں۔"

بنگال میں اشاعتِ اسلام

شیخ جلال الدین تبریزیؒ

سب سے پہلے جو بزرگ شمالی ہندوستان کے راستے بنگال تشریف لے گئے، شیخ جلال الدین تبریزی تھے۔ آپ ایرانی النسل تھے۔ پہلے شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید ہوئے اور ان کی وفات کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے فیض حاصل کیا۔ آپ نے اپنے مُرشد کی اس طرح خدمت کی کہ شاید ہی کسی مرید نے اپنے پیر کی کی ہو۔ شیخ شہاب الدین ہر سال حج کے لیے جاتے تھے اور چونکہ اب وہ بہت بوڑھے اور کمزور ہو گئے تھے۔ اس لیے گرم اور زود ہضم غذا کے سوا کچھ کھا نہ سکتے تھے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ جلال الدین کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اپنے سر پر ایک انگیٹھی اور دیگچی اُٹھائے رکھتے تھے تاکہ جس وقت مُرشد طلب کرے۔ اسے گرم کھانا دے سکیں[1]۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں ہی آپ کی شیخ بہاء الدین زکریا سے مُلاقات ہوئی اور ان کے ساتھ آپ نے ہندوستان کا رُخ کیا۔ لیکن دونوں پیر بھائیوں کی دوستی نبھی نہیں۔ وجہ اس کی سیر العارفین میں اس طرح لکھی ہے کہ دونوں بزرگ سیر و سیاحت میں مشغول تھے کہ وہ ایک ایسے شہر میں جا پہنچے جہاں شیخ فریدالدین عطارؒ مقیم تھے۔ ان دونوں کا قاعدہ یہ تھا کہ منزل پر پہنچنے کے بعد شیخ بہاء الدین تو عبادت میں مشغول ہو جاتے اور شیخ جلال الدین شہر کی سیر کو نکلتے۔ شیخ جلال الدین نے جب شیخ فریدالدین عطار کو دیکھا تو ان کے دل پر ان کی روحانیت کا بڑا اثر ہُوا۔ واپس جاکر انھوں نے اپنے پیر بھائی سے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ آج میں نے ایک ایسا زبردست شہباز دیکھا کہ میں سب کچھ بھول گیا۔ شیخ بہاء الدین نے پوچھا کہ کیا اس وقت اپنا مُرشد بھی یاد نہ رہا؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اُس کے سامنے مجھے کسی چیز کا خیال نہ رہا۔ شیخ بہاء الدین کو اپنے مُرشد سے شیخ تبریزی کی یہ سرد مہری اچھی نہ لگی اور انھوں نے اپنے پیر بھائی کی رفاقت ترک کر دی[2]۔

اس کے بعد شیخ جلال الدین تبریزی دہلی تشریف لائے۔ یہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے آپ کی دوستانہ مُلاقاتیں ہوتی تھیں۔ لیکن شیخ الاسلام دہلی شیخ نجم الدین صغرا آپ کا سخت مخالف ہو گیا۔ اور بالآخر اس نے آپ پر ایک شدید الزام لگا کر علما اور مشائخ کی ایک مجلس اس امر کا تصفیہ کرنے کے لیے بُلائی۔ اس مجلس نے تو بقول سیّد خورد مُبارک کرمانی مصنف سیر الاولیا آپ کے حق میں فیصلہ کیا۔ اور سُلطان التمش نے شیخ

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۸۰ [2] سیر العارفین ص ۱۶۹

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نجم الدین صغرا کو معزول کر کے شیخ بہاء الدین زکریا کو اس کی جگہ شیخ الاسلام مقرر کیا۔[1] شیخ جلال الدین بھی اس کے بعد دہلی نہ رہے۔ وہاں سے پہلے بدایوں اور پھر بنگالہ کا رُخ کیا۔ دہلی چھوڑتے وقت آپ نے کہا: "چوں من دریں شہر آمدم زر صرف بودم ایں ساعت نقرہ ام۔ تا بیشتر چہ خواہد شد"[2]۔ لیکن آپ کا انجام بڑا شاندار ہُوا۔ اللہ تعالٰی نے ولائت بنگالہ میں آپ سے بڑے کام لیے۔

فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخ کی زبانی لکھا ہے کہ جب شیخ جلال الدین تبریزی بدایوں میں تھے اور ایک گھر کی دہلیز پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص چھاچھ کا مٹکا سر پر لیے پاس سے گزرا۔ وہ شخص قریب کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا، جہاں کے لوگ ڈاکہ زنی میں مشہور تھے۔ اور وہ بھی انھی میں سے تھا۔ لیکن شیخ کی نورانی صورت دیکھ کر وہ بڑا متاثر ہُوا۔ دل میں کہنے لگا کہ ہیں، مُسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں (نیز در روے شیخ دید بگفت کہ در دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایں چنیں مردان ہم مے باشند)۔ چنانچہ وہ شیخ کے ہاتھ پر ایمان لایا۔ اور علی اس کا اسلامی نام رکھا گیا۔ جب شیخ بدایوں سے لکھنوتی جانے لگے تو وہ بھی پیچھے پیچھے روانہ ہُوا۔ لیکن شیخ نے اسے فرمایا کہ اس شہر کی ہدایت تمھارے ذمّہ ہے۔ تم یہیں رہو۔[3]

بدایوں میں ہی شیخ جلال الدین نے مولٰنا علاء الدین اصولی کو جو بعد میں سُلطان المشائخ کے اُستاد ہوئے اور اس وقت خود ایک طفلِ مکتب تھے۔ اپنا لباس عطا کیا۔[4]

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب آپ بنگالہ پہنچے تو وہاں مخلوقِ خدا جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور مرید ہوئی۔ حضرت نے اس جگہ

---

[1] سیر العارفین صر ۱۶۷ - ۱۶۹ [2] فوائد الفواد صر ۱۱۳ [3] فوائد الفواد صر ۱۳۲
[4] فوائد الفواد صر ۱۶۵

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک خانقاہ تعمیر کی۔ اور کئی باغ اور بہت سی زمین خرید کر لنگر کے لیے وقف کی۔ اس جگہ کو بندر دیوہ محل کہتے ہیں۔ یہاں ایک بہت بڑا تالاب تھا، جس کے قریب ایک ہندو راجے نے بے حد روپیہ خرچ کر کے ایک بت خانہ تعمیر کیا تھا۔ حضرت نے اس جگہ بہت سے غیر مسلموں کو مسلمان کیا اور بت خانے کو اپنی جائے قیام بنایا۔ اب آپ کا مزار اسی جگہ ہے۔ اور اس مندر کی نصف آمدنی آپ کے لنگر کے لیے وقف ہے۔ (سیر العارفین ص ۱۷۱)

ڈاکٹر انعام الحق کا خیال ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی بنگالے میں ۱۱۹۵ء اور ۱۲۰۰ء کے درمیان کسی ایسے وقت میں پہنچے، جب وہاں لکشمن سین کا راج تھا اور مسلمانوں نے بنگال فتح نہیں کیا تھا۔

حضرت سلطان المشائخ شیخ جلال الدین کے بڑے معتقد تھے۔ ان کے مبینہ ملفوظات افضل الفوائد میں ایک اندراج ہے:

"پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ ولایت اسی بات کا نام ہے جو شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہ العزیز کو حاصل تھی۔ چنانچہ جب آپ نے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا تو آپ ایک ایسے شہر میں پہنچے، جہاں ایک دیو ہر رات آدمی کھایا کرتا تھا۔ آپ نے اس دیو کو کوزے میں بند کر دیا۔ اس شہر کے باشندے سب کے سب ہندو تھے۔ جب انھوں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو سب مسلمان ہو گئے۔ آپ کچھ مدت وہاں رہے اور حکم دیا کہ خانقاہ بناؤ۔ خانقاہ تیار ہو گئی تو ہر روز ایک گدا گر لا کر اس کا سر مونڈتے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر خدا رسیدہ بنا دیتے۔ اس طرح آپ نے پچاس آدمیوں کو صاحب سجادہ اور صاحب کرامت کیا۔ اور پھر ان کو وہاں قائم کر کے آپ آگے چل دیے۔"

افضل الفوائد کی تاریخی صحت مشتبہ ہے۔ لیکن حضرت گیسو دراز کے ملفوظات میں اس واقعے کی بعض دوسری تفاصیل درج ہیں۔ اور حقیقت

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہیں۔ انھوں نے یہ کہہ کر کہ شیخ جلال الدین تبریزی پر جادو یا جن و پری کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا فرمایا:۔

"اور یہاں (بدایوں) سے شیخ دیوہ محل آئے۔ ایک کمہار یا مالن کے ہاں قیام کیا۔ دیکھا کہ اس کے گھر میں آہ و شیون کا طوفان برپا ہے۔ پوچھا تو پتا چلا کہ اس شہر میں ایک رسم یہ تھی کہ راجا کے حکم کے مطابق ہر روز ایک نوجوان دیو کے سامنے بھیجا جاتا اور وہ اسے کھا لیتا۔ اس روز شیخ کے میزبان کے بیٹے کی باری تھی۔ شیخ نے کہا کہ اپنے بیٹے کو نہ بھیجو۔ مجھے بھیجو۔ لیکن وہ نہ مانا کہ اگر دیو نے تمھیں قبول نہ کیا تو راجا مجھے قتل کرا دے گا۔

چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو نہلایا دھلایا۔ نئے کپڑے پہنائے اور اسے بت خانے میں لے گیا۔ شیخ بھی ساتھ تھے۔ بت خانے میں پہنچ کر شیخ نے نوجوان کو تو رخصت کر دیا اور خود دیو کا انتظار کرنے لگے۔ جب دیو اپنے معمول کے مطابق ظاہر ہوا تو شیخ نے اسے اپنے عصا کی ضرب سے ہلاک کر دیا۔ صبح کو راجا اپنے لشکریوں کے ساتھ بت کی پرستش کو آیا۔ دیکھا کہ اس بت خانے میں ایک آدمی سیاہ کپڑے اور سیاہ ٹوپی پہنے کھڑا ہے اور لوگوں کو بلا رہا ہے۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران تھے۔ راجا خود آگے بڑھا۔ شیخ نے کہا تم بغیر کسی ہراس کے آگے آؤ۔ دیو کو میں نے ہلاک کر دیا ہے۔ لوگوں نے دیکھا۔ واقعی ایسے ہی تھا۔ چنانچہ سب لوگ ایمان لائے اور مسلمان ہوئے۔" (ترجمہ از جوامع الکلم ص ۱۵۷)

شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے حالاتِ زندگی کے متعلق کئی الجھنیں ہیں جو ابھی تک حل نہیں ہوئیں۔ سیر العارفین کے مطابق آپ کی وفات ۶۴۲ھ یعنی ۱۲۴۴ء میں ہوئی۔ یہی تاریخ آئینِ اکبری اور خزینۃ الاصفیا میں ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ابنِ بطوطہ کہتا ہے کہ وہ خود ۷۴۶ھ مطابق ۱۳۴۵ء میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور لکھتا ہے:۔

"سانگام سے میں کامروپ کے پہاڑوں کی طرف ہو لیا، جو یہاں سے ایک

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مہینے کے راستے پر ہے۔ میرا ارادہ اس مُلک میں جانے سے یہ تھا کہ میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی جو مشہور اولیا اللہ تھے۔ زیارت کروں۔ یہ شیخ اپنے وقت کے قطب تھے۔ ان کی کراماتیں مشہور ہیں۔ عمر بھی ان کی بہت زیادہ ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے خلیفہ مستعصم باللہ کو بغداد میں دیکھا۔ اور جس وقت اُس کو قتل کیا ہے، میں وہاں موجود تھا۔ وہ ایک سو پچاس برس کی عمر پوری کر کے مرے ہیں۔ اور چالیس سال سے وہ برابر روزہ رکھتے تھے۔ دس دس دن کے بعد ایک دفعہ افطار کرتے تھے۔ بدن کے ہلکے پھلکے تھے۔ قد لانبا تھا اور رخسارے لگے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اس (پہاڑی) مُلک کے اکثر باشندوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اس مُلک کے ہندو مسلمان سب شیخ کی زیارت کو آتے ہیں اور ان کے واسطے تحفے اور نذر لاتے ہیں۔ اس میں سے فقرا اور مساکین کھاتے ہیں اور شیخ فقط اپنی گائے کے دودھ پر گزارہ کرتے ہیں[1]۔"

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ وہ حضرت کی زیارت کے لیے علاقہ کامروپ (آسام) میں گیا۔ اس سے سفرنامہ کے انگریزی مترجموں (مثلاً پروفیسر گب) نے قیاس کیا ہے کہ جس بزرگ کی اس نے زیارت کی، وہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ نہ تھے۔ بلکہ سلہٹ کے شیخ جلالؒ تھے۔ ابن بطوطہ کے بیان میں بعض اُلجھنیں ہیں۔ اور تیقن سے ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن پروفیسر گب وغیرہ کا نظریہ تسلیم کرنے میں بھی کئی دُشواریاں ہیں۔ کیونکہ شاہ جلال سلہٹی کی وفات ۷۴۰ھ میں ہوئی اور ابن بطوطہ نے کامروپ کا سفر ۷۴۶ھ میں کیا۔ اس کے علاوہ اس نے جو واقعات بیان کیے ہیں (مثلاً شیخ کا بغداد میں قیام۔ طویل عمر) وہ شیخ جلال الدین تبریزی کے متعلق ہیں۔

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ (مترجمہ خان بہادر مولوی محمد حسین) جلد دوم صفحہ ۲۸۵

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ جلال الدین تبریزی کی عظمت و اہمیت کے باوجود وثوق سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا مزار کہاں ہے۔ سیر العارفین میں، جسے سکندر لودھی کے استاد شیخ جمالی نے تالیف کیا۔ بندر دیوہ محل کا ذکر ہے۔ ابوالفضل نے بھی یہی بیان دہرایا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ بندر کہاں ہے۔ خان بہادر محمد حسین نے سفرنامہ کے حواشی میں لکھا ہے کہ بنگالہ کے قدیم دارالخلافہ پانڈوہ کے قریب دیوتھل ایک جگہ ہے۔ ممکن ہے اس جگہ مزار ہو۔ پنڈوہ (ضلع مالدہ صوبہ مغربی بنگال) سے آٹھ دس میل دور قصبہ تبریزآباد کے نواح میں ایک جگہ دیوتلہ یا دیوتلاو ہے۔ لیکن یہاں بھی شیخ جلال الدین تبریزی کا چلہ خانہ ہے۔ مزار نہیں۔ بنگالہ کے سفر میں بعض اہل تحقیق نے راقم الحروف سے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ شیخ نے اخیر عمر میں عزلت نشینی اختیار کرلی تھی۔ اور اب وہ گوہاٹی (صوبہ آسام) سے چند میل دور ایک پہاڑی پر ایک دشوار گزار اور نسبتاً غیر معروف بلکہ ہیبت ناک جنگل میں مدفون ہیں[۱]۔ پنڈوہ میں جہاں آپ کے چلہ خانہ اور مسجد (بائیس ہزاری) سے ۲۲ ہزار ایکڑ کی زمین وابستہ تھی۔ آپ کا عرس ۲۱ - ۲۲ رجب کو ہوتا ہے۔

آئینہ ہندوستان شیخ سراج

شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے علاوہ دوسرے کئی بزرگ اس زمانے میں بنگال کی طرف آئے اور یہاں اس زمانے میں صوفیہ کثرت سے تھے[۲]۔ ابن بطوطہ بنگالے کے ایک بادشاہ ملک فخرالدین کی نسبت لکھتا ہے "فخرالدین صوفیوں اور فقیروں سے اس قدر محبت رکھتا

---

[۱] شیخ جلال الدین تبریزی کے حالات میں بنگالی حروف میں لکھی ہوئی ایک سنسکرت کتاب دستیاب ہوئی ہے۔ اس کے مطابق ۱۲۲۳ء میں شیخ بنگال سے چلے گئے۔

[۲] ایشوری پرشاد صاحب نے اپنی کتاب کے ص ۷۰۸ پر سفرنامہ ابن بطوطہ کے حوالے سے چودھویں صدی کے بنگال میں فقراء و صوفیہ کی ۱۵۰ گدیوں کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ہندوستان میں اسلامی حکومت کی تاریخ (انگریزی) از ڈاکٹر ایشوری پرشاد۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ اس نے ایک صوفی شیدا نام کو سانگاؤں میں اپنا نائب مقرر کیا۔ سلطان المشائخ کی اس ولائت کی طرف خاص نظر تھی اور انھوں نے اپنے ایک مرید خاص شیخ سراج الدین عثمان (متوفی ۱۳۵۷ء) کو تعلیم و تربیت دے کر بنگال کی طرف بھیجا۔

شیخ سراج الدین عثمانؒ کا وطن بنگال کا دار الخلافہ لکھنوتی تھا۔ لیکن وہ ایام طفولیت میں ہی وہاں سے آکر شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مرید ہو گئے اور ان کی خانقاہ میں رہنے لگے۔ ہر سال کے بعد لکھنوتی (بنگال) میں اپنی والدہ محترمہ سے ملنے کے لیے جاتے۔ اور پھر واپس آکر اپنے مُرشد کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ عطائے خلافت کے وقت شیخ نے انھیں فرمایا کہ اس کام میں علم سب سے زیادہ درکار ہے۔ اور تمھیں علم سے ابھی وافر حصہ نہیں ملا۔ اس پر شیخ کے ایک فاضل مرید مولٰنا فخر الدین زرادی نے عرض کیا کہ میں اسے چھ ماہ میں عالم بنا دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے شیخ سراج الدین عثمانی کو (اس بڑھی عمر میں) پڑھانا شروع کیا۔ ان کے لیے صرف کی ایک کتاب لکھی اور اس کا نام عزیز شاگرد کے نام پر عثمانی رکھا۔[۵] اس کے بعد شیخ سراج الدین نے مولٰنا رکن الدین سے کافیہ۔ مجمع البحرین اور دوسری کتابیں پڑھیں۔ اور حضرت سلطان المشائخ کی وفات سے تین سال بعد تک تعلیم جاری رکھی۔ اس کے بعد شیخ کی بعض کتابیں پُرانے کپڑے اور خلافت نامہ لے کر بنگالے کا رُخ کیا۔ شیخ نظام الدین انھیں آئینۂ ہندوستان کہا کرتے تھے۔

فرشتہ کا بیان ہے کہ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد آپ حضرت چراغ دہلی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور درجۂ کمال کو پہنچ کر ان سے خرقۂ خلافت بنگالہ پایا۔ جب حضرت چراغ دہلی آپ کو بنگالے کی طرف رخصت کر رہے تھے، تو آپ نے عرض کیا کہ اس ولایت میں تو شیخ علاء الدین ایک صاحب اثر و اقتدار

---

[۵] سیر الاولیا صفحہ ۲۸۱

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بزرگ ہیں۔ میرے جانے سے کیا ہوگا۔ حضرت چراغ دہلی نے بزبانِ ہندی فرمایا:
"تم اوپر وے تل" یعنی تمہارا مرتبہ ان سے اُوپر رہے گا۔ اور ان کا تم سے نیچے۔ چنانچہ فی الحقیقت ایسا ہُوا۔ اور شیخ علاء الدین آپ کے مُرید ہوئے[1]

بنگالے میں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور وہاں کا بادشاہ آپ کا مُرید ہُوا۔ آپ کی وفات ۱۳۵۷ء میں ہوئی۔ وفات سے پہلے اپنا مدفن منتخب کیا۔ اور سب سے پہلے حضرت سلطان المشائخ کے عطا کردہ کپڑے اس میں دفن کیے اور ارشاد فرمایا کہ میری وفات کے بعد مجھے ان کی پائنتی میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل ہوئی۔ مزار گوڑ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

آپ کے ایک مشہور ہمعصر شیخ رضا بیابانی بادشاہ وقت سلطان شمس الدین الیاس کے مرید تھے۔ جب انھوں نے ۱۳۵۳ء میں وفات پائی تو فیروز تغلق نے بنگالے پر یورش کر رکھی تھی۔ اور الیاس قلعہ ایکدالہ میں محصور تھا۔ لیکن اپنے پیرِ و مُرشد کی وفات پر اس نے جان ہتھیلی میں لی اور جنازے میں شریک ہونے کے لیے بھیس بدل کر قلعہ سے باہر آیا۔ (برنی)

شیخ علاء الدین علاء الحق بنگالی لاہوری

شیخ علاء الدین علاء الحق شیخ اسعد لاہوری کے بیٹے تھے۔ آپ امرا و ارکین سلطنت میں شمار ہوتے تھے۔ اور بہت مغرور سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کو لوگ گنج نبات کہتے تھے۔ اور چونکہ گنج نبات کا درجہ گنج شکر سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے مشہور ہے کہ بابا فرید گنج شکر کے خلیفہ حضرت سلطان المشائخ نے اس پر خفگی کا اظہار کیا[2]۔ بعد میں آپ سب کچھ ترک کر کے شیخ سراج الدین عثمان کے مُرید ہوئے۔ مُرشد کی اتنی خدمت کی کہ ناظرین حیران ہوتے تھے۔ وہ شیخ جلال الدین تبریزی کی طرح اپنے مُرشد کا کھانا گرم رکھنے کے لیے انگیٹھی اپنے سر پہ اُٹھائے رہتے

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ جلد دوم صہ ۳۹۹۔ ۴۰۰ [2] خزینۃ الاصفیا جلد اوّل صہ ۳۶۸

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے سر کے بال جل گئے۔ آپ اس حالت میں اپنے عزیزوں کے سامنے آتے جو ارکانِ حکومت میں سے تھے۔ وہ لوگ آپ کا مذاق اڑاتے، لیکن آپ ذرا بھی متاثر نہ ہوتے۔

جب مُرشد سے فیض حاصل کرنے کے بعد آپ ان کے جانشین ہوئے تو آپ نے بڑی جُود و سخا اور خلقت پروری شروع کی۔ حتیٰ کہ بادشاہِ وقت نے اس پر اعتراض کیا۔ شیخ کے والد مہتمم خزانہ تھے۔ بادشاہ کو خیال ہُوا کہ شاید اس کی مدد سے یہ فیاضی جاری ہے۔ چنانچہ شیخ کو دار الخلافہ چھوڑ کر سنار گاؤں[1] جانے کا حکم ہُوا۔ اور آپ دو سال سنار گاؤں رہے۔ خادم کو حکم تھا کہ جو خرچ پہلے ہوتا تھا، اس سے دو چند کرو۔ چنانچہ عطائے الٰہی سے یہ سلسلہ جاری رہا۔[2]

آپ کی وفات ۱۳۹۸ء میں ہوئی۔ مزار مُبارک حضرت پنڈوہ میں ہے، جو بنگال کے قدیم دار الخلافہ گوڑ سے سات میل کے فاصلے پر بڑی زیارت گاہ ہے۔

آپ کے خلفا میں سے علاوہ آپ کے فرزند ارجمند قطب عالم شیخ نور الحقؒ کے میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ خاص مرتبہ کے بزرگ تھے۔ وہ پیدا سمنان میں ہوئے۔ سیر و سیاحت کے لیے (میر سید علی ہمدانی کے ساتھ) ہندوستان آئے۔ بالآخر جونپور کے علاقے میں قصبہ کچھوچھہ میں بس گئے۔ آپ کے زمانے میں پہلے سکندر بادشاہ بنگالے کا حکمران تھا۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین

---

[1] ڈھاکہ سے ۱۸ میل کے فاصلے پر ہے۔ پہلی مرتبہ حاکم بنگالہ طغرل کے تعاقب میں سلطان غیاث الدین بلبن کے یہاں آنے کا ذکر ملتا ہے۔ اس وقت یہاں ایک ہندو باجگزار راجا تھا۔ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں سنار گاؤں مقبوضاتِ شاہی میں داخل ہُوا اور ایک زمانے میں مشرقی بنگالہ میں اسلامی حکومت کی توسیع کا بڑا مرکز بن گیا۔ لیکن ابتدا میں ایک سرحدی مقام ہونے کی وجہ سے یہاں کی رہائش مقبول عام نہ تھی۔ اور پنڈوہ، لکھنوتی والوں کے لیے ایک طرح کی جلا وطنی تھی۔ [2] اخبار الاخیار صہ ۱۴۳

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تخت نشین ہوا۔ جس نے خواجہ حافظ کو شیراز سے آنے کی دعوت دی تھی۔ خواجہ نہ آئے لیکن ایک غزل لکھ کر بھیجی۔ جس کے دو شعر یہ تھے ؎

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند زیں قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ مے رود
حافظ ز شوقِ مجلسِ سلطان غیاث دیں خامش مشو کہ کارِ تو از نالہ مے رود

حضرت نور قطب عالمؒ

شیخ علاء الحقؒ سے بھی زیادہ فروغ ان کے صاحبزادے نور الحق المعروف نور قطب عالم نے پایا۔ جن کی نسبت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں :-

"شیخ نور الحق والدین رحمت اللہ علیہ المشہور بہ شیخ نور قطب عالم فرزند و مرید خلیفہ علاء الحق است، از مشاہیر اولیاے ہندوستان و صاحب عشق و محبت و ذوق و شوق و تصرف و کرامت"۔

اس کے بعد دو صفحوں میں ان کے ارشادات اور ریاضتوں کا حال لکھا ہے قطب عالم[1] کے والد شیخ علاء الدین نے اپنے مرشد کی بڑی خدمت کی تھی، لیکن اس منزل میں وہ اپنے والد سے پیچھے نہیں رہے۔ وہ اپنے والد کی خانقاہ کے تمام درویشوں کی ساری خدمتیں بجالاتے۔ ان کے کپڑے دھوتے۔ ان کے لیے پانی گرم کرتے۔ کوئی بیمار ہوتا تو ساری خدمتیں جو ایک مامتا بھری ماں بیمار بچے کی بجالاتی ہے، پوری کرتے۔ آٹھ سال تک اس خانقاہ کے لیے انھوں نے لکڑیاں کاٹی ہیں۔

ایک روز والد نے فرمایا کہ نور الحق جس جگہ عورتیں کوئیں سے پانی نکالتی ہیں، وہاں زمین پھسلنی ہو گئی ہے۔ پاؤں پھسلتے ہیں اور برتن ٹوٹ جاتے ہیں۔ تم اپنے سر پر انھیں پانی نکال دیا کرو۔ چار سال تک حضرت نور قطب عالم نے یہ خدمت انجام دی۔ آپ پانی نکال کر چو بچہ میں ڈال دیتے۔ اور وہاں سے اہل ضرورت لے جاتے۔ آپ کے بڑے بھائی شیخ اعظم خان وزیرِ سلطنت تھے۔ وہ انھیں اس حالت میں

---

[1] آئینِ اکبری کے مطابق حضرت نور قطب عالم کی ولادت لاہور میں ہوئی۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیکھتے تو افسوس کرتے۔ اپنے پاس آنے کی تلقین کرتے، لیکن آپ ہنس کر ٹال دیتے۔ اور کہتے کہ خانقاہ کی ہیزم کشی میرے لیے وزارت سے بہتر ہے۔[1]

آپ کے مزاج میں درد اور خلوص بہت تھا۔ آپ کے خلیفہ شیخ حسام الدین مانکپوری لکھتے ہیں کہ ایک روز آپ سوار ہو کر جا رہے تھے اور بے اندازہ خلقت آپ کے دیدار کے لیے راستے پر دو رویہ کھڑی تھی۔ اس حالت میں گریہ سے آپ بے ہوش ہوئے جاتے تھے۔ شیخ حسام الدین نے آگے بڑھ کر ماجرا پوچھا تو فرمانے لگے کہ آج خدا نے اتنے لوگوں کو ہمارا مسخّر کیا ہے جو ہمارا احد سے زیادہ احترام کرتے ہیں۔ کل کو پتا نہیں، روزِ قیامت ہمارا کیا حال ہو گا۔ خدا کرے ہمارا سر انھی لوگوں کے سامنے پامال نہ ہو![2]

طبیعت میں بے حد مسکینی اور کسرِ نفسی تھی۔ ایک روز ایک شخص، مکہ معظمہ سے آیا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کے ساتھ خانہ کعبہ میں ملاقات کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو گھر سے باہر نہیں نکلا۔ اتنے لوگ ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں کہ تمھیں سہو ہوا ہو گا۔ اس نے اصرار کیا تو آپ نے اسے کچھ دیا اور رخصت کیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ اس طرح کی باتیں نہ کیا کریں (اخبار الاخیار ص ۱۵۴)

شیخ حسام الدین لکھتے ہیں کہ آپ سوائے سخت سردی کے گودڑی نہ پہنتے۔ سجادہ پر بھی کبھی نہ بیٹھے۔ آپ کا ارشاد تھا کہ سجادہ پر بیٹھنے کا اسے حق ہے جو اس پر بیٹھ کر نہ دائیں دیکھے نہ بائیں۔ رخصت کے وقت آپ نے شیخ حسام الدین کو نصیحت کی کہ سخاوت میں سورج کی طرح ہونا اور عاجزی میں پانی کی طرح۔ اور تحمل میں زمین کی طرح اور لوگوں کے سب مظالم برداشت کرنا۔ آپ نے شیخ حسام الدین کو یہ بھی نصیحت کی تھی کہ "مرد وہ ہے جو درویشی (طریقت) اور دانشمندی (شریعت) دونوں کو اپنی ذات میں جمع کرے۔"

---

[1] و [2] اخبار الاخیار ص ۱۵۳

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ عبدالحق آپ کے مکتوبات کی نسبت لکھتے ہیں "شیخ نور قطب عالم را مکتوبات است بغایت شیریں و لطیف ۔ بر زبانِ اہلِ درد و محبت"

یہ مکتوبات، جن کی تعداد ۱۲۱ ہے (گلزار ابرار) مولانا حسام الدین مانکپوری نے فراہم کر کے مرتب کیے ۔ زیادہ خطوط اپنے بیٹے شیخ فضل اللہ (المعروف قاضی شاہ) کے نام ہیں، جو پنڈوہ میں آپ کے جانشین ہوئے ۔ باقی خطوط آپ کے نواسوں اور مریدوں کے نام ہیں ۔

آپ کا ایک خط اخبار الاخیار میں درج ہُوا ہے ۔ جس سے چند سطور ہم تبرکاً و تیمناً نقل کرتے ہیں ۔

نور بجانب نجم

بیچارہ حزین نورِ مسکین، عمر بباد دادہ و بوے مقصود نیافتہ ورطۂ حیرت و میدان حسرت چوں گوے سرگردان شدہ ؎

ہمہ شب بزاریم شد کہ صبا نداد بوے
نہ دمید صبحِ بختم چہ گنہ نہم صبا را

عمر از شصت گزشتہ و نیز از شصت جستہ و از شر نفسِ امارہ یک ساعت نرستہ ۔ بجز باد بر دست و آتش در جگر و آب در دیدہ و خاک بر سر نہ پیوستہ بجز ندامت و خجالت دست آویزے نہ جز درد و آہ پلے گریزے نہ ؎

دلِ مردانِ دیں پُر درد باید | زمحنت فرقِ شاں پُر گرد باید

آپ کے مکتوبات میں لطیف و دلآویز اشعار کثرت سے ہوتے تھے چنانچہ اس مکتوب میں آگے چل کر لکھا ہے ؎

گفتم مگر کہ کار بساماں شود، نشد | یار از جفائے خویش پشیماں شود نشد
گفتم مگر زمانہ عنایت کند، نکرد | بختِ ستیزہ کار بفرماں شود، نشد

ایک اور پُر سوز شعر ہے ؎

راہ ناایمن است و منزل دُور | مرکبت لنگ و یار سخت غیور!

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہی باہمت اور مشقت طلب ہستیاں تھیں، جنھوں نے اسلام کی شمعیں مُلک کے کونے کونے میں روشن کیں۔ اور جن کے ذکر سے آج بھی دل و دماغ منوّر ہوتا ہے۔

مکتوبات کے علاوہ آپ کے قلم سے ایک اور کتاب انیس الغربا کے نام سے نکلی جو چھپ چکی ہے۔ قریباً ساٹھ صفحے کا مختصر رسالہ ہے۔ جس میں رسُول اکرم کی بعض احادیث۔ ان کا ترجمہ اور صوفیانہ رنگ میں ان کی شرح کر دی ہے۔ حضرت نور قطب عالم نے امیرانہ ماحول میں پیدا ہونے کے بعد فقر کی دُنیا اختیار کی تھی اور اپنے قدیمی ماحول سے سخت بیزار تھے۔ اس لیے ان کی تصانیف پر بھی زہد و رہبانیت کا رنگ غالب ہے۔ لیکن ان میں ایک عجیب طرح کی ادیبانہ دلآویزی ہے جو آپ کے مذاقِ سلیم اور دلِ گداختہ کا پتا دیتی ہے۔

حضرت نور قطب عالم صرف ایک بڑے خدارسیدہ اور خادمِ خلق بزرگ اور صاحبِ طرز اہلِ قلم نہ تھے۔ بلکہ بنگالہ کی تاریخ ریاض السلاطین کے بیان کے مطابق واقعات نے انھیں مجبور کیا کہ وہ ملکی معاملات میں بھی اہم حصّہ لیں۔ یُوں تو ویسے بھی حضرت کا خاندان امارت اور شرافت میں ممتاز تھا۔ لیکن حضرت کا رسُوخ اس لیے بھی زیادہ تھا کہ بادشاہِ وقت سلطان غیاث الدین آپ کا ہم درس تھا۔ دونوں شیخ حمید الدین گنج نشین ناگوری (۷۵۶ھ۔ ۱۳۶۰ء) کے شاگرد تھے۔ اور بادشاہ نہ صرف آپ کی رُوحانی پاکیزگی کا معتقد تھا بلکہ بچپن سے دونوں کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ واقعات بھی ایسے پیش آئے کہ حضرت نور قطب عالم کو معاملاتِ ملکی میں دخل دینا پڑا۔ ریاض السلاطین میں جو بنگالے کی سیاسی تاریخ ہے، لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین دیناج پور کے ایک ہندو زمیندار راجا کنس (گنیش) کی سازش سے قتل ہُوا۔ اس کے بعد مختصر مدت کے لیے دو اور بادشاہ ہوئے اور بالآخر راجا گنیش خود تخت نشین ہُوا۔ اس نے سخت ظلم و ستم سے کام لینا شروع کیا۔ بہت سے علما و مشائخ کو قتل کیا اور اس امر

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے درپے ہُوا کہ ملک سے اسلام کی بُنیادیں اُکھاڑ دے ("اکثرے علماو مشائخ رامقتولِ تیغ ستم کرد۔ ومے خواست کہ بیخ اسلام را از قلمروِ خود مستاصل سازد"[1])

حضرت نور قطب عالم نے یہ حالت دیکھ کر جونپور کے بادشاہ سلطان ابراہیم شرقی کو مدد کے لیے لکھا۔ ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے بھی جو ابراہیم کے دربار میں تھے، بادشاہ کو "فوائدِ دینی و دنیوی" بتا کر اس کی ترغیب دی اور جونپور سے ایک بڑی فوج بنگالے کی سمت روانہ ہوئی۔

اب گنیش ڈرا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ نے کہا کہ میں ایک کافر ظالم بادشاہ کی بادشاہِ اسلام کے پاس کس طرح سفارش کرسکتا ہوں اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو اور بات ہے۔

ریاض السلاطین میں لکھا ہے کہ گنیش اسلام قبول کرنے پر آمادہ تھا، لیکن اس کی دھرم پتنی مانع ہوئی۔ اور بالآخر اس نے کہا کہ میں تو بُوڑھا ہو گیا ہوں۔ میں ترک دنیا کرتا ہوں۔ آپ میرے بیٹے (جدو) کو مسلمان کرلیں تاکہ وہ بنگالے کا بادشاہ بن سکے۔ آپ نے یہ بات قبول کی۔ جدو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہُوا اور آپ کی سفارش پر جونپور کی فوج واپس چلی گئی۔

جب یہ خطرہ دُور ہُوا تو گنیش نے چاہا کہ جدو پھر سے ہندو ہو جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے اس نے سونے کی چند دیو ہیکل گائیں بنوائیں۔ جدو کو ان کے اندر سے گزارا اور سارا سونا برہمنوں میں تقسیم کر دیا۔ برہمن دوبارہ جدو کو ہندو برادری میں لینے پر آمادہ تھے، لیکن وہ حضرت قطب عالم کی بزرگی کا قائل تھا۔ اس نے ایک ایسے بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد مرتد ہونے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ جب گنیش مرا تو اس کی وفات پر جدو سلطان جلال الدین ابو مظفر محمد شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ اس کے عہدِ حکومت میں اسلام کو

---

[1] ریاض السلاطین ص ۱۰۸-۱۱۰

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بڑی رونق ہوئی۔ اس زمانے میں حضرت نور قطب عالم کا انتقال ہو چکا تھا لیکن سلطان جلال الدین نے ان کے بیٹے شیخ زاہد کو سنارگاؤں سے بلایا۔ ان کا ہر طرح احترام کیا اور اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔

ریاض السلاطین کے مصنف نے اپنی کتاب اُس وقت لکھی جب وہ ضلع مالدہ میں جس کے اندر گوڑ اور پنڈوہ کے مقامات ہیں، مقیم تھا۔ اس کا بیان مقامی روایات یا صوفیانہ تذکروں پر مبنی ہے۔ اور اس میں دو ایک چیزیں نظر کو کھٹکتی ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی جس انداز سے شاہانِ بنگالہ نے حضرت نور قطبِ عالم کے مزار پر اپنی توجہ صرف کی ہے۔ اس سے اور دوسری کتب سے اس اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، جو حضرت نور قطبِ عالم کو اس دُنیا کی نظروں میں بھی حاصل تھی۔

حضرت نور قطبِ عالم کی تاریخ وفات کے متعلق اختلاف ہے۔ شیخ عبدالحق محدثؒ نے آپ کی تاریخ ۸۱۳ھ (یعنی ۱۴۱۰ء) لکھی ہے۔ لیکن اب عام خیال یہ ہے کہ نور ضور شید کی تاریخ وفات کے مطابق آپ نے یعنی ۱۴۱۵ء کو وفات پائی۔ مزار مبارک پنڈوہ ضلع مالدہ (مغربی بنگال) میں ہے۔

آپ کے بعد آپ کا فیض آپ کے بیٹوں (شیخ رفعتہ الدین و شیخ انور) نے جاری رکھا۔ ان کا رنگِ طبیعت بھی آپ کا سا تھا۔ لیکن آپ کے سب سے مشہور خلیفہ شیخ حسام الدین مانکپوری تھے۔ جو ایک اہلِ علم اور صاحبِ ذوق خاندان کے چشم و چراغ تھے اور خود بھی ایک منبع فیض ثابت ہوئے۔ آپ کے مریدوں میں دوسرے خلفائے کبار کے علاوہ شیخ نورؒ کے نواسوں (شیخ زاہد، شیخ اکمل، شیخ راجن، شیخ اخوند عالم) کے نام بھی لیے جاتے ہیں۔ شیخ حسام الدین کے ایک مرید راجی حامد شاہ تھے، جن کے خلیفہ شیخ حسن طاہر جونپوری ثم دہلوی تک امام الہند شاہ ولی اللہ کا سلسلہ نسب جاتا ہے[1]۔

---

[1] شاہ ولی اللہؒ کی دادی شیخ قطب عالم کی پوتی تھیں اور وہ خود شیخ حسن طاہر کے پوتے تھے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ حسام الدین صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔ ان کے ملفوظات رفیق العارفین نامی ایک کتاب میں جمع ہوئے ہیں۔ وہ تو غالباً ابھی تک زیورِ طبع سے محروم ہے، لیکن ان کی ایک اور تصنیف انیس العاشقین کے نام سے چھپ چکی ہے۔ اس میں تصوف کی اصل و حقیقت پر دلچسپ پیرائے میں تبصرہ کیا ہے اور مضمون کو جا بجا آیات و احادیث و دلگداز فارسی اشعار اور ہندی دوہوں سے مؤثر بنایا ہے۔ آپ کے مکتوبات ابھی شائع نہیں ہوئے۔

حضرت نور قطب عالم کے خلفا کی فہرست دیکھنے سے خیال ہوتا ہے کہ آپ کا فیض صوبہ بنگال تک محدود نہ تھا بلکہ آپ کی شمعِ علم و عمل کی روشنی سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کے فرزندوں اور دوسرے خلفا نے آپ کا فیض بنگالے میں جاری رکھا۔ شیخ حسام الدین کا زیادہ وقت کڑہ مانکپور (موجودہ صوبجات متحدہ کے مشرقی حصے) میں گزرا۔ قصبہ بہار شریف میں آپ کے ممتاز خلیفہ مخدوم عطاء اللہ بغدادی مدفون ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے ایک خلیفہ شیخ شمس الدین طاہر تھے، جو زیادہ تر اجمیر میں رہے۔ ایک اور خلیفہ حضرت شاہ کاکو (شیخ کاکو) تھے، جو لاہور کی مایۂ ناز ہستیوں میں سے تھے۔ تمام عمر ترویجِ اسلام میں مشغول رہے۔ آپ نے موجودہ لنڈا بازار لاہور کے علاقے میں ایک مدرسہ اور خانقاہ قائم کی تھی، جو مغلیہ حکومت کے زوال تک علم اور روحانیت کی مرکز بنی رہی۔ آپ کے جانشینوں میں سے آپ کے صاحبزادے شیخ اسحاق کاکو، ان کے شاگرد، مثلاً شیخ سعد اللہ بن اسرائیل، شیخ منور اور ان کے جانشین شیخ کبیر (ملاحظہ ہو بدایونی کی منتخب التواریخ) خاص طور پر مشہور ہیں۔ آپ کا مزار ایک بڑی زیارت گاہ تھا۔ حضرت میاں میر یہاں زیارت کے لیے آیا کرتے تھے۔ لیکن جولائی ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج کے ساتھ یہ زیارت بھی شہید ہو گئی۔ (اورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۳۷ء)

شیخ جلال مجرد سلہٹی
(وفات ۱۳۴۰ء)

تقسیمِ پاک و ہند کے بعد شاہ نور قطب عالم اور دوسرے بزرگانِ پنڈوہ کے مزار ہندوستان میں رہ گئے ہیں۔ اس وقت

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مشرقی پاکستان کی سب سے اہم زیارت سلہٹ میں ہے، جو سلطان شمس الدین فیروز شاہ والیٔ بنگالہ کے عہدِ حکومت میں حضرت شیخ جلال مجرد سہروردیؒ کی مدد سے فتح ہوا ؎

سلہٹ زشرف فلک برابر باشد — ہر سنگ درو بہ تاب گوہر باشد
ہر قطرہ از و بوسعت دریائیست — ہر ذرۂ اش آفتاب دیگر باشد

ضلع سلہٹ کے سرکاری گزیٹر میں لکھا ہے :-

گوڑ یا سلہٹ کو مسلمانوں نے ۱۳۸۴ء[1] میں فتح کیا۔ آخری ہندو راجا گوبند کو سکندر غازی کی فوجوں سے زیادہ شاہ جلال کی کرامات نے بے بس کر دیا۔ شاہ صاحب کی وفات کے بعد یہ علاقہ صوبہ بنگالہ میں داخل کیا گیا اور نظم و نسق کے لیے ایک علحدہ صوبیدار مقرر ہوا۔

"اس ضلع کے قریباً ترپن ۵۳ فیصدی باشندے گزشتہ مردم شماری کے مطابق مسلمان ہیں۔"

مندرجہ بالا بیان سرکاری گزیٹر کا ہے۔ حال میں محکمۂ آثار قدیمہ کو بھی کا ایک پرانا کتبہ دستیاب ہوا ہے، جو پہلے درگاہ شاہ جلال میں لگا ہوا تھا۔ اور اب ڈھاکہ میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ کتبہ ۹۱۸ ہجری یعنی ۱۵۱۲ء میں لگایا گیا۔ اس کے مطابق "بہ عزت شیخ المشائخ مخدوم شیخ جلال الدین مجرد بن محمدؐ اوّل فتح اسلام عرصہ سری ہٹ (سلہٹ) بہ دستِ سکندر خاں غازی بعہدِ سلطان فیروز شاہ دلوئی (کذا) سنہ ثلث و سبع مائتہ ...."

حضرت شاہ جلال کا ذکر مشائخ کے عام تذکروں میں بالکل نہیں ملتا، لیکن خوش قسمتی سے ہمیں غوثی مالوی کے گلزار ابرار کا اُردو ترجمہ موسومہ اذکار الابرار دستیاب ہوا۔ اصل کتاب ۱۶۱۳ء میں لکھی گئی۔ اس میں شیخ جلال کے متعلق ذیل کا اندراج ہے

یادِ شیخ جلال الدین مجرّد!

---

[1] یہ تاریخ غلط ہے۔ پہلی مرتبہ سلہٹ ۷۰۳ھ یعنی ۱۳۰۳ء میں فتح ہوا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ ترکستانی تھے مگر پیدائش بنگالے کی ہے۔ سلطان سید احمد کے خلیفہ تھے۔ کہتے ہیں ایک روز روشن ضمیر پیر کی خدمت میں عرض کیا۔ میری آرزو یہ ہے کہ جس طرح حضور کی راہنمائی کی بدولت جہادِ اکبر میں کسی قدر فتح مندی حاصل ہوئی ہے اسی طرح حضور کی کام بخش ہمت کے طفیل میں جہادِ اصغر سے بھی دل کی تمنا پوری کرلں۔ اور جو مقام دار الحرب ہو اس کے فتح کرنے میں کوشش کر کے غازی یا شہید بنوں۔ پیر بزرگوار نے التماس قبول فرما کر اپنے بزرگ خلفا میں سے سات سو آدمی آپ کے ہمراہ کیے۔ العزۃ للہ۔ جہاں کہیں مخالفین سے لڑائی ہوئی فتح حاصل کی۔ زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ اس دُور دراز بھاگ دوڑ میں روزی کا مدار صرف غنیمت کے مال پر تھا۔ اور توانگرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ جو گھاٹیاں اور مویشی فتح ہوتی تھیں، ہمراہیوں میں سے کسی ایک کو دے کر وہاں اسلام کی اشاعت اور راہنمائی اس کے سپرد کر دیتے تھے۔ القصہ صوبہ بنگالہ کے پرگنات میں ایک قصبہ ہے سرہیہ (سلہٹ) اس قصبے پر جب آپ پہنچے تو تین سو تیرہ آدمی ہمراہی میں باقی رہے تھے۔ ایک لاکھ پیادہ اور کئی ہزار سوار کا مالک گوڑ گوبند قصبے کا حکمران تھا۔ وہ اس کم تعداد گروہ کے مقابلے میں بہت قوی تھا۔ کیونکہ یہ گروہ اس بے انتہا لشکر کے مقابلے میں وہ نسبت بھی نہیں رکھتا تھا جو نمک کو کھانے کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب لڑائی آن تلی تو تقدیر کے پردے سے کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ کی کرامت ظاہر ہوئی۔ اور وہ پیکر پرست بھاگ کر ملکِ عدم کی طرف سوائے تنہا جان کے کچھ نہ لے جاسکا۔ اور تمام زمین غازیوں کے ہاتھ آئی۔ شیخ مجرد نے تمام مفتوحہ زمین کا حصہ کر کے اپنے ہمراہیوں کو تنخواہ میں دے دی اور ہر ایک کو کتخدا ہونے کی بھی اجازت دے دی۔ اس تقسیم میں ایک قصبہ شیخ نور الہدیٰ ابوالکرامات سعیدی حسنی کے حصے میں بھی آیا۔ وہاں پر آپ عیالمند ہو گئے اور فرزند بھی ہوئے۔ شیخ علی شیر[۱] انھی کی نسل سے ہیں۔ شیخ علی شیر نے یہ بیان

---

[۱] شیخ علی شیر عہد اکبری کے مشہور بزرگ شیخ غوث گوالیاری کے خلفا میں سے تھے۔

(باقی اگلے صفحے پر)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شرح نزہت الارواح کے مقدمے میں لکھا ہے۔" (اذکار الابرار ص ۱۲۴ - ص ۱۲۵)

شاہ جلال سلہٹی کے حالات میں مولوی نصیر الدین حیدر منصف سلہٹ نے ۱۸۵۹ء میں دو پرانی کتب کی مدد سے ایک کتاب سہیل یمن مرتب کی تھی۔ سہیل یمن کے کئی اندراجات ناقابلِ تسلیم ہیں۔ ظاہر ہے کہ قدیم کتبے اور غوثی کے بیان کو اس پر ترجیح دی جائے گی، لیکن چونکہ شیخ جلال کے متعلق مغربی پاکستان میں بالکل بےخبری ہے اور مشرقی بنگال کی روحانی تاریخ میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اس لیے ہم سہیل یمن کا خلاصہ سطورِ ذیل میں پیش کرتے ہیں:-

"شاہ جلال قریش نسل سے تھے۔ ان کے والد کا نام محمد تھا، جو ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اور شیخ الشیوخ کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ دادا کا نام محمد ابراہیم تھا۔ آپ کی والدہ خاندانِ سادات سے تھیں۔ اور آپ کی پیدائش کے تین ماہ بعد انتقال کر گئیں۔ آپ کے والد بھی جہاد میں شہید ہوئے۔" اس پر آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے ماموں سید احمد کبیر سہروردی نے اپنے ذمے لی، جو ایک بلند پایہ درویش تھے۔ اور مشہور و معروف بزرگ شاہ جلال الدین بخاری کے تربیت یافتہ تھے۔"

(بقیہ نوٹ از صفحہ ۳۱۵) بڑے عالم اور صاحب تصانیف تھے۔" کچھ اوپر نوسو ستر ہجری" میں وفات پائی۔ احمد آباد میں مزار ہے (اذکار الابرار ص ۲۸۹ ص ۳۰۸)

لہ یعنی روضۃ الصالحین (محررہ ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء بعہد بادشاہ فرخ سیر) اور رسالہ از معین الدین خادم درگاہ (محررہ ۱۱۳۴ھ / ۱۷۲۱ء)

لہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے والد بزرگوار کا نام سید احمد کبیر سہروردی تھا۔ اور وہ اُچہ کے مشہور بزرگ شاہ جلال الدین (سُرخ پوش) بخاری کے مرید و فرزند تھے۔ سہیل یمن میں درج شدہ شجرے سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً حضرت شاہ جلال مجرد سلہٹی اُچہ (بہاولپور، پنجاب) کے مشہور سہروردی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ کم از کم ان کی والدہ ماجدہ اس خاندانِ عالیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تیس سال تک شاہ جلال نے ایک غار میں عبادت کی۔ اس کے بعد آپ کے ماموں نے آپ کی ایک کرامت دیکھ کر آپ کو مٹی کی ایک مٹھی دی۔ اور کہا کہ اب تم دُنیا کی سیر کرو۔ اور جس جگہ اس رنگ و بُو کی مٹی ملے، وہاں اقامت پذیر ہو جانا۔ چنانچہ آپ نے رختِ سفر باندھا اور یمن[۱] کے ایک شہر اور دہلی کی سیر کرتے ہوئے، (جس کے دوران میں آپ کی حضرت سلطان المشائخ سے ملاقات ہوئی) اپنے ساتھی فقیروں کے ساتھ سلہٹ پہنچے۔

ان دنوں سلہٹ میں ایک مسلمان برہان الدین نامی رہتا تھا۔ اس کے گھر بیٹا پیدا ہُوا تو اس نے اس تقریب پر ایک گائے ذبح کی۔ قضا را چیل گوشت کا ایک ٹکڑا لے گئی، جو اس سے ایک برہمن کے گھر میں گر پڑا۔ برہمن اس پر بہت بگڑا اور سلہٹ کے راجا گوڑ گوبند[۲] کے پاس شکایت لے کر گیا۔ راجا نے

---

[۱] حضرت شاہ جلال کے مزار پر ۱۵۱۲ء میں جو کتبہ لگایا گیا، اس میں ان کا نام "شیخ جلال مجردِ کنیائی" لکھا ہے۔ یمنی نہیں لکھا گیا۔ تاریخ جلالی (قلمی) کے مرتب مولوی اظہر الدین سلہٹی لکھتے ہیں "کتاب جغرافیہ مجمع البلدان وغیرہ میں یمن کا کوئی گاؤں کنیا کے نام سے نہیں ملتا۔ ہاں زائرین سرحد کابل نے ان (حضرت شاہ جلال) کو بخاری کے نام سے مشہور کیا ہے ..... واللہ اعلم"

[۲] سہیل یمن میں گوڑ گوبند کے متعلق لکھا ہے۔ "چوں زاد بومش ملک گوڑ بود، اورا گوڑ گوبند گفتندے۔ چوں قدوۃ الواصلین شاہ جلال گنج روانی گوڑ راجہ تیغ جہاد مسخر فرمود۔ آں سم اندیش از آں براہِ فرار قدم زد۔ و بشہر سلہٹ آمد۔ واز شہریاری قدم زد"۔ شاہ جلال گنج روانی کے نام سے کسی بزرگ کا نام تذکروں میں نہیں ملتا۔ لیکن اخبار الاخیار میں شاہ جلال گجراتی کا ذکر ملتا ہے، جو گوڑ چلے گئے تھے۔ اور وہاں بادشاہوں کی طرح تخت نشینی کرنے لگے۔ چنانچہ حاکم وقت نے انھیں قتل کروا دیا۔

بزرگانِ اورنگ آباد کے سلسلے میں شاہ جلال گنج رواں ایک بزرگ کا ذکر ملتا ہے، جو گجرات سے وہاں تشریف لائے تھے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تحقیق حالات کے بعد حکم دیا کہ نومولود بچے کو توقتل کر دیا جائے اور اس کے باپ کا ایک ہاتھ کاٹ لیا جائے۔ اس پر برہان الدین فریاد لے کر گوڑ پہنچا، جو بنگال میں مسلمانوں کا دارالحکومت تھا۔ وہاں سے سلطان سکندر کے زیرِ قیادت جو بادشاہِ وقت کا بھانجا تھا، ایک لشکر اس ظلم کا انتقام لینے کے لیے روانہ ہوا، لیکن یہ لشکر ناکام رہا۔ سہیلِ یمن میں لکھا ہے کہ گوڑ گوبند ایک بڑا جادوگر تھا۔ اس نے جنوں بھوتوں کا ایک لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بھیجا[1] اور مسلمان ہار گئے۔ سلطان سکندر نے اپنے ماموں کو اطلاع دی تو وہاں سے ایک اور فوج نصیر الدین سپہ سالار کی زیرِ سرکردگی روانہ ہوئی، لیکن ابھی تک مسلمانوں میں گوڑ گوبند کے جادو کا تھوڑا بہت اثر باقی تھا۔ اور فیصلہ ہوا کہ شاہ جلال سے جو تین سو ساٹھ فقیروں کے ساتھ اس علاقے میں مصروفِ کار تھے، مدد کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ سلطان سکندر اور نصیر الدین شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

انھوں نے ان کا دل بڑھانے کے لیے ایک دُعا پڑھی اور کہا کہ میں اور میرے ساتھی فقیر تمھاری فوج میں شامل ہو کر دشمن کو نیست و نابود کر دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گوڑ گوبند کے جادو سے اب مسلمان ڈرتے نہ تھے۔ اور نہ ہی ان پر اس کا کوئی اثر ہوا۔ اور سلہٹ بآسانی فتح ہو گیا[2]۔

---

[1] خان بہادر مولوی محمد حسین سفرنامہ ابنِ بطوطہ کے حواشی میں آسام کے جادو کا ذکر کر کے (جس کی ابو الفضل نے بھی آئینِ اکبری میں تفصیلات دی ہیں) لکھتے ہیں: "اس ملک پر کئی دفعہ مسلمانوں نے حملہ کیا۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے کچھ تو جنگل اور پانی کی فراوانی سے گھبرا گئے اور کچھ اس قسم (جادو) کی افواہ جو تمام ہندوستان میں مشہور تھی۔ ہر ایک ارضی و سماوی و اتفاقی آفت کو ان کے سامنے جادو کی صورت میں پیش کرتی تھی۔"

[2] اس سے پہلے مسلمان دو مرتبہ سلہٹ کے راستے کامروپ (آسام) پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ (۱۲۰۵ء میں محمد بختیار خلجی اور ۱۲۵۳ء میں بنگالے کا گورنر طغرل) لیکن دونوں مہموں کا کوئی دیرپا نتیجہ نہ نکلا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شاہ جلال نے اس دوران میں دیکھا کہ سلہٹ کی مٹی خوشبو اور رنگ میں اُس مٹی سے ملتی ہے جو ان کے ماموں نے ان کو دی تھی۔ چنانچہ انھوں نے ان فقیروں کے ساتھ جو اس پر آمادہ ہوئے، سلہٹ میں بس جانے کا فیصلہ کیا۔

ہمیں سلہٹ جانے اور درگاہ جلالی میں حاضری دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ کارکنانِ الاصلاح لائبریری (سلہٹ) کی فیاضی سے سہیل یمن کا قلمی نسخہ دیکھنے اور یادداشت مرتب کرنے کا موقع ملا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مولوی اظہرالدین احمد صدیقی سلہٹی کی اُردو تالیف تاریخ جلالی (قلمی) جس میں انھوں نے سہیل یمن کا خلاصہ مرتب کر کے اس پر تنقیدی نگہ ڈالی ہے، نظر سے گزری۔ اور خود مولوی صاحب سے تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ ہمارا خیال ہے کہ اگرچہ سہیل یمن کے بعض اندراجات غلط اور ناقابلِ تسلیم ہیں، لیکن اس سے حضرت شاہ جلال کی تاریخی اہمیت اور رُوحانی عظمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ سہیل یمن کے علاوہ نہایت قدیمی کتبے[1] اس امر کے شاہد ہیں کہ سلہٹ کی فتح "بہ عزمت شیخ المشائخ مخدوم شیخ جلال الدین مجرد بن محمد" وقوع پذیر ہوئی۔ اور لطف یہ ہے کہ فتح سلہٹ کی نسبت جو کچھ مسلمان تذکرہ نگار کہتے ہیں، اس کی پُوری تائید ہندو روایات سے ہوتی ہے (ملاحظہ ہو سر جادو ناتھ سرکار کی تاریخ بنگالہ جلد دوم صفحہ ۷۹)

۱۳۰۳ء میں سلہٹ فتح ہُوا۔ اور ۲۰ ذیقعد ۷۴۰ھ یعنی ۱۸ مئی ۱۳۴۰ء کو حضرت شاہ جلال نے وفات پائی۔ (آپ کی تاریخ وصال "شاہ جلال مجرد قطب بود" کے جملہ سے نکلتی ہے)۔ قیام سلہٹ کے سینتیس ۳۷ سال میں کچھ وقت تو شاہ صاحب نے ظاہری انتظامات میں گزارا اور باقی عبادت اور ارشاد و ہدایات میں۔ ضلع سلہٹ میں چار ایسے مشہور مقامات ہیں، جہاں مقامی روایات کے

---

[1] فی الحال یہ کتبہ (مورخہ ۹۱۸ھ) ڈھاکہ میوزیم میں ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مطابق حضرت شاہ صاحب نے اپنے ساتھی پیروں کو بسایا اور ان سے ارشاد و ہدایت کا کام لیا۔ یعنی سلہٹ، لاتو، ہابنیہ ٹیلہ، ہمنگ ٹیلہ، شیخ جلال کے مزار کے پاس ایک قدیمی مسجد ہے، جس کے اخراجات کے لیے حکومت سے زرِ امداد ملتا ہے۔ بلکہ انگریزی حکومت کی ابتدا میں ہر نئے حاکم ضلع (کلکٹر) کو شیخ جلالؒ کے مزار پر حاضری دینی پڑتی تھی۔ شیخ جلالؒ کے ساتھی فقرا کی قبریں سلہٹ کے گلی کوچوں میں پائی جاتی ہیں۔

بنگال کے غازی اولیا

بنگال کی روحانی تاریخ کی ایک دلچسپ خصوصیت "غازی اولیا" یا ایسے بزرگوں کی افراط ہے، جن کی اصل دلچسپی تو خدا اور دوسری دنیا سے تھی، لیکن جنھیں حالات کے تحت عسکری کوششوں میں حصہ لینا پڑا۔ اور جن کی مدد سے اسلامی حکومت کی توسیع ہوئی۔ بنگال اسلامی حکومت کی سرحد پر واقع تھا۔ شروع میں اسلامی حکومت بیشتر شمال مغربی بنگال تک محدود تھی۔ اس کے جنوب اور مشرق میں وسیع علاقے ہندو راجاؤں کے قبضے میں تھے۔ اسلامی حکومت کی توسیع کے بعد بھی وسائلِ آمد و رفت کی مشکلات کی وجہ سے کئی علاقے خود مختار زمینداروں اور راجاؤں کے زیرِ نگیں رہے، جو اکا دکا مسلمان جا پہنچتا، اسے مذہبی رسوم کی ادائگی میں مشکلات پیش آتیں۔ اور ایک کشمکش کا آغاز ہو جاتا۔ اس کے علاوہ جہاد کا جوش بھی تھا، جو ان خدا رسیدہ بزرگوں کو میدانِ کارزار میں لے آتا۔

بنگال میں غازی اولیا میں سب سے اہم سلہٹ کے شاہ جلالؒ ہیں، جن کا ہم ذکر کر چکے۔ ملک کے اکثر حصوں میں ایسے بزرگوں کے مزارات ہیں۔ جن کی نسبت مشہور ہے کہ انھوں نے ہندو راجاؤں سے کشمکش کے بعد علاقے میں اسلامی جھنڈا بلند کیا۔ مثلاً ضلع ہگلی میں ایک مقام پنڈوہ اہلِ علم اور اشراف مسلمانوں کی ایک ممتاز بستی ہے، جہاں ابتدائی انگریزی حکومت میں کئی قاضی اور قاضی القضاۃ ہوئے۔ مشہور ہے کہ یہ خاندان اس جگہ عہدِ مغلیہ سے پہلے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آباد ہوئے اور اسلامی حکومت کے آغاز کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کوئی چھ سات سو سال پہلے یہاں شاہ صفی الدین رہتے تھے۔ انھیں مقامی راجے نے تنگ کیا تو انھوں نے مسلمان بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کی اور فوج بلا کر پنڈوہ کو فتح کرایا۔ ایک دوسرے اسلامی مرکز، منگل کوٹ، ضلع بردوان کے پیر راہی کی نسبت بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ ستگاؤں میں ظفر خاں اسی قسم کے مجاہد ولی تھے، جو مقامی روایات کے مطابق ہندو راجا کے ساتھ لڑائی میں شہید ہوئے، لیکن ان کے ایک بیٹے نے یہ مقام (تری بھینی) فتح کر لیا۔ شاہ اسمٰعیل غازی کے مزار تو ضلع رنگ پور میں کئی جگہ بتلائے جاتے ہیں۔ لیکن مشہور مزار کانتا دوار میں ہے، جہاں کے مجاور سے گزشتہ صدی میں پیر محمد شطاری کا لکھا ہوا رسالۃ الشہدا ملا تھا۔ اس کے مطابق راجا کامروپ کے ساتھ لڑائی میں گوڑ کے مسلمان بادشاہ نے شاہ اسمٰعیل غازی سے مدد لی۔ اور فتح کے بعد اس علاقے کی حکومت ہی ان کے سپرد کر دی۔ لیکن گوڑا گھاٹ کے ایک ہندو نے بادشاہ کے کان بھرے۔ اور بادشاہ نے ۱۴۷۴ء میں انھیں شہید کرا دیا۔ اسی طرح ضلع ڈھاکہ میں سونار گاؤں کے بکرم پور کے مقام پر، جہاں بختیار خلجی سے شکست کھانے کے بعد ہندو راجا بلال سین نے اپنی راجدھانی منتقل کر دی تھی۔ بابا آدم شہید کا مزار ہے، جن کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ہندو راجا کے ساتھ کشمکش میں شہید ہوئے۔ مزار کے قریب ایک مسجد ہے، جو ۱۴۸۳ء میں بادشاہِ بنگالہ نے تعمیر کرائی تھی۔

روحانی اور مادی سربلندی کے اس اتصال نے بعض جگہ مختلف صورتیں اختیار کیں۔ مثلاً مشرقی پاکستان کے ساحلی مقام کھلنا کے قریب، جو چٹاگانگ کے بعد اس صوبے کی بڑی بندرگاہ اور صنعتی مرکز بنتا جاتا ہے۔ باگھا ہاٹ میں حضرت خان جہان علی کا مزار ہے، جو ۱۴۵۸ء میں وفات پا گئے۔ ضلع جیسور کے گزیٹر کے مطابق یہ بزرگ، جو عوام الناس کے نزدیک فقط ایک صاحب سطوت ولی تھے۔ سندربن کے وسیع جنگلات اور دلدلوں کے اس حصے کو آباد کرنے والے تھے۔ اس وقت یہ

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علاقہ ویران تھا۔ وہ یہاں ساٹھ ہزار مزدوروں کے ساتھ آئے۔ یہاں ایک پختہ سڑک بنائی۔ تالاب کھدوائے۔ جنگلات کو صاف کیا۔ اور وسیع پیمانے پر کاشتکاری شروع کرائی۔ بالآخر وہ دُنیا سے دست بردار ہوگئے۔ اور اب زمانہ انھیں صرف بطور ایک ولی کے جانتا ہے۔ لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ ان کی وفات کے ساتھ، ان کا کام بھی ختم ہوگیا۔ اور جنگل ایک بار پھر سارے علاقے میں پھیل گیا۔

شاہ جلال گجراتی ۱۳۷۶ء

روحانی اور مادی کوششوں کے اتصال کی ایک اور مثال شاہ جلال رح کے ضمن میں ملتی ہے، جن کی نسبت شیخ عبدالحق محدث اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں: "در گوڑ بنگالہ بر تخت نشستے و حکم کردے۔ چنانچہ بادشاہاں نشینند و حکم کنند۔ بادشاہِ گوڑ اورا شہید کرد۔ از جہت توہم و دغدغہ، کہ بقول غرض گویاں بخاطر او راہ یافت۔" شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ یہ شاہ جلال اصل میں گجرات کے رہنے والے تھے اور گوڑ میں شہید ہوئے۔ لیکن اصل میں یہ وُہی بزرگ ہیں، جو بنگالے میں شاہ جلال دکنی کہلاتے ہیں۔ اور جن کا مزار ڈھاکے کی مشہور زیارت گاہ ہے۔ ڈھاکہ اس زمانے میں حکومتِ گوڑ کے تابع (اور سنار گاؤں سے اٹھارہ بیس میل کے فاصلے پر) ایک فوجی چوکی تھا۔ اور چونکہ شاہ جلال کو شہید کرنے کا حکم گوڑ کے بادشاہ یا اس کے افسروں نے دیا تھا۔ اس سے شیخ عبدالحق کو سہو ہُوا ہے۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق یہ شاہ جلال گلبرگہ (دکن) کے حضرت سید گیسو دراز رح کے تربیت یافتہ بزرگ شیخ پیارا کے مرید تھے۔ اور اولیائے دکن کے تذکرے اس امر پر شاہد ہیں کہ یہ شاہ جلال اصل میں گجرات کے تھے۔ پھر دکن تشریف لے گئے۔ چونکہ وہاں سے وہ بنگال میں تشریف لائے۔ اس لیے بنگالے میں وہ دکنی مشہور ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث شاہ جلال کی نسبت لکھتے ہیں: "از کاملان وقت بود۔ صاحب تصرف و کرامت و ظاہر و باطن۔ مرتبہ عظیم و شانے رفیع داشتند"۔ اور بیان کیا ہے کہ جب بادشاہ کے سپاہی خانقاہ میں آئے،

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور شیخ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنا شروع کیا تو جس وقت کسی مُرید پر تلوار چلاتے تو شیخ "یا قہار" "یا قہار" کہتے۔ جب ان کی باری آئی اور ان پر تیغ زنی شروع ہوئی تو انھوں نے "یا رحمان" "یا رحمان" کہنا شروع کیا۔ اور انھی الفاظ کے ساتھ جاں بحق تسلیم ہوئے۔

خزینۃ الاصفیا کے بیان کے مطابق شاہ جلال کی شہادت ۱۴۷۶ء میں ہوئی۔ آسودگانِ ڈھاکہ میں حکیم حبیب الرحمٰن لکھتے ہیں: "حضرت جلال دکنی کا مزار بہت مشہور ہے۔ اور سب لوگ جانتے ہیں کہ آپ موتی جھیل میں ایک گنبد کے اندر آسودہ ہیں۔ ایک کتبہ بھی ہے۔ مگر اس میں صرف کلمہ طیبہ کندہ ہے...... گنبد کے شمالی جانب سو قدم کے فاصلے پر ایک پکی قبر نظر آتی ہے۔ اور اس کے بعد چار دیواری کے اندر دوسری قبر ہے۔ اس احاطے کے بالکل مشرق میں ایک خاصا بڑا صحن نما قطعہ ہے، جو لو گز امزار کہلاتا ہے۔ یہ یقیناً گنج شہیداں ہے۔ یعنی آپ کے ساتھ جن لوگوں نے شہادت پائی۔ سب ایک ہی بڑی سی قبر میں دفن کر دیے گئے ہیں۔ حضرت نعمت اللہ بت شکن کے احاطے میں جو تین گنبد کی مسجد موجود ہے، یہ دکنی صاحب کی مسجد کہلاتی ہے اور یہی پرانے نقشوں میں درج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جلال قدس سرہ العزیز کے وقت ہی میں یہ مسجد بنی تھی۔"

خدا کی شان ہے کہ جس جگہ حضرت شاہ جلال کی خانقاہ تھی۔ اور جہاں ایک تخت پر بیٹھ کر وہ احکام جاری کیا کرتے تھے، اسی جگہ آج "گورنمنٹ ہاؤس" ہے۔ اور وہیں صوبے کے حاکم اعلیٰ مسند نشین ہیں۔" آج موتی جھیل کی مالک نواب اسٹیٹ ہے۔ مگر پورا احاطہ گورنمنٹ کے قبضے میں ہے۔ کہ یہاں گورنمنٹ ہاؤس ہے۔ اجازت کے ساتھ زیارت کی اجازت مل سکتی ہے۔"

جن لوگوں نے شاہ جلال کی صحبت سے فیض اٹھایا۔ ان میں ملا داد (ضلع قنوج) کے مصباح العاشقین شیخ محمد تھے۔ جن کے مرید شیخ عبدالحق دہلی کے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دادا (شیخ سعد اللہ) اور چچا (شیخ رزق اللہ مشتاقی) تھے۔

شاہ جلال گجراتی کے مرشد شیخ پیارا تھے۔ جن کی "تربیت" حضرت میر سید محمد گیسو دراز نے کی لیکن جو مرید حضرت گیسو دراز کے پوتے سید ید اللہ کے تھے۔ وہ چشتی، نظامی سلسلے سے تھے۔ اور غالباً یہی سلسلہ شاہ جلال گجراتی کا تھا۔

شاہ جلال کے مزار سے کچھ فاصلہ پر باغ دلکشا کے پاس حضرت شاہ نعمت اللہ بُت شکن کا مزار ہے۔ ان کی نسبت روایت مشہور ہے کہ ان کے اشارے سے بُت ٹوٹ جاتے تھے۔ اس لیے ان کو بُت شکن کہتے تھے۔ لیکن ان کے زمانۂ حیات کی نسبت کوئی صحیح اطلاع نہیں۔ خیال ہے کہ آپ عہدِ مغلیہ سے پہلے ڈھاکے تشریف لائے۔ شہر ڈھاکہ سے تقریباً سات میل شمال کی طرف میرپور کی مشہور بستی میں ایک قدیم مسجد کے اندر حضرت شاہ علی بغدادی کا مزار ہے۔ مسجد پر جو کتبہ لگا ہے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ ۸۸۵ھ میں یہاں ایک مسجد بنی تھی۔ جو شکستہ ہو گئی تو پھر تعمیر ہوئی۔ شاہ علی بغدادی اس مسجد کے اندر معتکف ہو گئے اور وہیں ان کا وصال ہوا۔ حکیم حبیب الرحمان نے آسودگانِ ڈھاکہ میں ان کا سالِ وصال ۹۸۶ھ لکھا ہے (ص ۱۲۸) "بنگال میں یہ عہد یعنی نویں اور دسویں صدی مبلغین اسلام کے ورود کا خاص سال ہے۔" صرف شہر ڈھاکہ اور ضلع میں اس عہد میں تشریف لانے والوں میں حضرت شاہ جلال گجراتی، سنار گاؤں میں حاجی بابا صالح اور حضرت شاہ منگر کے نام معلوم ہیں۔ "قریباً یہ حضرات ہم عہد ہیں۔"

اشاعتِ اسلام بنگال میں صوفیائے کرام نے اشاعتِ اسلام میں جو کارہائے نمایاں کیے، ان کے متعلق بنگالے کی مفصل انگریزی تاریخ میں ایک ہندو اہلِ قلم کا ذیل کا اندراج ہے:-

"مسٹر سٹیپلٹن لکھتے ہیں:-" اس زمانے میں بنگالے میں اولیا اور غازیوں[1]

---

[1] یعنی وہ رضاکار جو جہادِ فی سبیل اللہ کے لیے خود تیغ بکف رہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی اتنی بڑی تعداد آگئی تھی کہ خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت حالات ضرور سلاطین دہلی کی بنگالے کے متعلق کسی خاص سوچی ہوئی پالیسی کا نتیجہ تھی "۔ فی الحقیقت یہ قیاس بے جا نہیں۔ قرون وسطیٰ کے ان اولیائے مجاہدین "Muslim Soldier Saints" کا اسلام کی تاریخ میں وہی مرتبہ ہے جو صلیبی لڑائیوں کی تاریخ میں ان ٹمپلر مجاہدین کا تھا۔ (جو مسلمانوں سے لڑنے اور عیسائی مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لیے اپنی زندگی وقف کرتے تھے) اگرچہ ان اولیائے کرام کی اخلاقی حالت مسیحی بہادروں یعنی (Knights) سے بہتر تھی اور دنیاوی حکام کے بھی وہ ان سے زیادہ وفادار تھے۔ اگر گوڑ گوبند کی شکست اور سلہٹ کی فتح یا ہگلی یا نڈوا راجا کے متعلق مسلمانوں کی عام روایات میں حقیقت کا عنصر موجود ہے تو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ان اولیا کے ساتھ نسبتاً غیر محتاط پیروؤں کا بھی ہجوم ہوتا تھا، جو ہندو راجاؤں کے علاقے میں کوئی ذرا سا بہانہ لے کر جم جاتے تھے اور پھر اسلامی حکومت کی باقاعدہ فوج کو بلا لیتے تھے تاکہ وہ ان کفار راجاؤں کو مسلمانوں کے حقوق غصب کرنے کی سزا دے!! سلطان جلال الدین کی رحم دلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (جس نے مسلمانوں کا خون بہانے کی بجائے ایک ہزار ٹھگوں کو کشتیوں میں بھر کر بنگالے بھیج دیا تھا) مسٹر اسٹیپلٹن لکھتے ہیں: "بنگالے کے سلاطین کے لیے ایسی جلاوطنیوں کے اثر کو زائل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ تھا کہ وہ ان نوواردوں کو اپنی بیرونی افواج (Foreign Legion) میں بھرتی کر لیتے اور بنگالے کی سرحد پر کافر راجاؤں سے لڑائیاں لڑنے پر لگا دیتے"۔

بلبنی سلاطین[1] کے عہد حکومت میں نہ صرف بنگالے میں اسلام کو وسعت نصیب ہوئی بلکہ اس کی بنیادیں بھی اور گہری ہو گئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب اولیائے کرام

---

[1] یعنی بنگالے کے وہ بادشاہ جو بغرا خاں ابن سلطان غیاث الدین بلبن کی نسل سے تھے مضمون نگار کی رائے ہے کہ بنگالے کے مشرقی حصے میں [یعنی سنار گاؤں (موجودہ ڈھاکہ سے مشرق کی طرف] حکومت اسلام کی توسیع اور ملک میں اسلام کی اشاعت ان ہی بادشاہوں کے عہد حکومت میں ہوئی (مترجم)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے جو برہمنوں اور ہندو سادھوؤں سے عمل پارسائی، قوتِ عمل اور دُور اندیشی میں بڑھ کر تھے ۔ وسیع پیمانے پر تبلیغ شروع کی جس کی کامیابی کا باعث طاقت نہ تھی بلکہ ان کا مذہبی جوش اور ان کی عملی زندگی ۔ وہ نچلے طبقے کے ان ہندوؤں میں رہتے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے، جو اس وقت بھی (ہمیشہ کی طرح) توہم پرستی اور معاشرتی دباؤ کے شکنجے میں گرفتار تھے ۔ دیہاتی علاقوں کے یہ باشندے مسلمان ہو کر اسلامی حکومت کے لیے ایک نئی تقویت کا ذریعہ ہو گئے ۔ بنگالے کی عسکری اور سیاسی فتح کے سَو سال بعد (اسلامی) صوفیانہ سلسلوں کی مدد سے جو ملک کے کونے کونے میں پھیل گئے تھے، اس سرزمین میں اخلاقی اور روحانی غلبے کا سلسلہ شروع ہوا ۔ مندروں اور ہندو خانقاہوں کو تباہ و برباد کر کے ابتدائی مسلمان فاتحین نے صرف ان کے زر و جواہر پر قبضہ کیا تھا ۔ لیکن تلوار کے زور سے تاریخی روایات ختم نہ ہو سکتی تھیں اور نہ ہی ان غیر فانی روحانی خزائن کا خاتمہ ہو سکتا تھا، جن پر ہندو قومیت اور ہندو مذہب کی بنیادیں قائم تھیں ۔ مسلمان اولیا نے اخلاقی اور روحانی فتح کے عمل کو مکمل کیا اور اس مقصد کے لیے ہندو دھرم اور بُدھ مت کے پُرانے استھانوں پر (جو اب برباد ہو گئے تھے) ایک پالیسی کے مطابق درگاہیں اور خانقاہیں قائم کر دیں ۔ اس کے دو نتیجے ہوئے ۔ ایک تو بُت پرستی کے ان قدیم استھانوں میں ہندو مت کے احیاء کا امکان جاتا رہا اور دوسرے عوام الناس میں ایسے قصے کہانیاں رائج ہو گئیں جن کے مطابق یہ نوارد قدیمی مقدس ہستیوں کے جانشین ہو گئے ۔ ہندو عوام جو صدیوں سے ان مقامات کو مقدس مانتے آئے تھے، ان کی پُرانی تاریخ کو بھول گئے ۔ اور بڑی آسانی سے انھوں نے اپنی ارادت کا سلسلہ ان پیروں اور غازیوں سے وابستہ کر دیا جو ان مقامات پر قابض ہو گئے تھے ۔ مذہبی دائرہ میں اس ارتباط کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ بالآخر ایک رواداری کی فضا پیدا ہو گئی، جس نے ہندوؤں کو اپنی سیاسی شکست سے بے پروا کر دیا ۔ ہندو سوسائٹی بالخصوص نچلے طبقے کے ہندو اولیا "

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

اور غازیوں کی کرامات کے ایسے قصوں کی بدولت جو بسا اوقات قدیم ہندو اور بودھی روائتوں پر مبنی تھے' آہستہ آہستہ اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ شاید ہندو تیرتھوں پر اس یورش کی سب سے نمایاں مثالیں دو ہیں۔ ایک راجگیر میں سرنگی رشی کنڈ کا مخدوم کنڈ بن جانا اور دوسرے دیو اوتار روایات کے معجزہ باز بدھ کا ایک مقدس مسلمان ولی مخدوم صاحب میں تبدیل ہو جانا!

ہم کسی اور جگہ ان اولیا اور دوسری مقدس ہستیوں کے ہاتھوں جن کے مزار اور استھان تمام ملک میں بکھرے ہوئے ہیں' بنگال کی روحانی فتح کی تفصیلات بیان کریں گے[1]۔

مندرجہ بالا بیان ڈاکٹر کالی کا رانجن قانونگو کا ہے۔ سر جادو ناتھ سرکار خود اس مسئلے پر لکھتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی فتح بنگال کے وقت (۱۲۰۳ء) سے کئی صدیاں پہلے مشرقی بنگال کے عوام (اور فی الحقیقت بہت سے شرفا کا) مذہب ہندو مت کا تن ترک طریقہ "Tantric Hinduism" تھا' جو بعد میں بدھ مت کی داشاح پرستی اور جادو ٹونے' جو اب بھی تبت میں رائج ہے' مختلف نہ تھا۔ ہندو راجاؤں کے عہد حکومت میں سنسکرت کے عالم' ہندو وید' اور بڑے بڑے ہندو پنڈت مغربی بنگال سے دریا کو عبور کر کے مشرق میں آتے اور مشرقی بنگال میں آباد ہو جاتے۔ اسی طرح مشرقی بنگال کے درباروں اور مشہور استھانوں کی زیارت کرتے۔ لیکن وہ سوسائٹی کے اونچے طبقے سے تعلق تھے اور مشرقی بنگال کے بڑے شہروں اور دولت مند استھانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن جب ندیا اور گوڑ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو یہ تمدنی آمد و رفت بھی ختم ہو گئی اور اس کے بعد عرصہ تک ہنسا برہماپتر کے مشرقی علاقے میں لوگ ہندو رہے' لیکن ان کا مذہب گوڑ کے ہندوؤں کا سا نہ تھا۔ ان کے ہاں نہ تو پڑھے لکھے برہمن پوجاری تھے' نہ سنسکرت کی مقدس

---

[1] تاریخ بنگال مرتبہ سر جادو ناتھ سرکار (جلد دوم) صفحہ ۶۸-۷۰۔

www.KitaboSunnat.com

کتابیں تھیں اور نہ ہی ویدک رسومات رائج تھیں۔ قریب قریب ہر جگہ ان کی عبادت ان پڑھ، مظاہر پرست پجاریوں (بلکہ صحیح طور پر یہ کہنا چاہیے کہ بھوت پریت کے ماننے والے "Witch Doctors") کے ہاتھوں ہوتی۔ اس وقت مشرقی بنگال کے ہندو عوام کی یہ حالت تھی کہ تعلیم یافتہ آریا برہمن انھیں نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کے درمیان کوئی برہمن ایسے موجود نہ تھے جو انھیں مذہبی تعلیم دیتے یا ان کی مذہبی رسومات کو پوری طرح بجالاتے۔ فی الحقیقت کامروپ اور اراکان کے منگولی بدھ مت والوں کی طرح وہ بھیڑوں کا ایک ایسا گلہ تھے، جس کا گلہ بان کوئی نہ ہو۔ اس لیے جب سلہٹ کے شاہ جلال اور اسلام کے دوسرے مبلغین وہاں اشاعتِ مذہب کے لیے پہنچے تو ان کے مقابلے کے لیے ہندو مت کا کوئی لائق پجاری سامنے نہ آیا اور مشرقی بنگال کے ہندو بڑی آسانی سے ارواح پرستی چھوڑ کر (خواہ اسے آپ بعد کا بدھ مت کہہ لیں یا تنترک طریقے کا ہندو مذہب، کیونکہ فی الحقیقت یہ دونوں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں) گروہ در گروہ مسلمان ہو گئے۔ سلہٹ اور راج گیر (جنوبی بہار) کے ابتدائی مسلمان مبلغین اور ان کے ہاتھوں مقامی ہندو پروہیتوں یعنی "جوگیوں" کی زورِ کرامت سے شکست کا فی الحقیقت اصل مطلب یہی ہے! (ص ۲۲۷ - ۲۲۸)

بنگال میں اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں شاہ جلال تبریزیؒ حضرت شیخ نور قطب عالمؒ شاہ جلال یمنی سلہٹیؒ اور ان کے لاتعداد ساتھیوں کا کام قابلِ تعریف ہے۔ لیکن شاید ان بزرگوں کی کوششوں سے بھی زیادہ اسلام کی کامیابی کی اصل وجہ اسلامی روحانیت اور مساوات تھی۔ اسلام نے شہروں سے زیادہ دیہات میں اور اونچی ذاتوں سے زیادہ نیچی ذاتوں میں فروغ پایا۔ اس کی وجہ ڈاکٹر ہنٹر یہ بیان کرتے ہیں:-

> "ان لوگوں کے لیے جن میں مفلس ماہی گیر، شکاری قزاق اور ادنیٰ قوم کے کاشتکار تھے۔ اسلام ایک اوتار تھا، جو ان کے لیے آکاش سے اترا تھا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ حکمران قوم کا مذہب تھا۔ اس کے پھیلانے والے باخدا لوگ تھے۔ جنھوں نے توحید و مساوات کا مژدہ ایسی قوم کو سنایا، جس کو سب ذلیل و خوار سمجھتے تھے۔ اس کی تعلیم نے خدا اور اسلامی اخوت کا بلند تر تخیل پیدا کر دیا۔ اور بنگال کی کثرت سے بڑھنے والی قوموں کو جو صدیوں سے ہندوؤں کے طبقے سے تقریباً خارج ہو کر بڑی ذلت و خواری کے دن کاٹ رہی تھیں، اسلام نے بلا تامل اپنی اخوت کے دائرے میں شامل کر دیا۔[1]

گجرات میں اشاعتِ اسلام

پٹن ساحلی مقامات کو چھوڑ کر گجرات کے جس شہر میں اسلامی مبلغ سب سے پہلے آئے وہ نہر والہ (یا نہلوارہ) پٹن ہے، جو احمد آباد کی تعمیر سے پہلے ایک بڑا پُر رونق شہر اور گجرات کے ہندو راجاؤں کا دار السلطنت تھا۔ خوش قسمتی سے اس شہر کے بزرگوں کے حالات شیخ جہاں سید احمد صاحب نے منازل الاولیا میں جمع کر دیے تھے۔ اور ان کا خلاصہ گجرات کی مشہور تاریخ مراۃ احمدی میں درج ہے۔ انھیں دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ مسلمان فاتحین کی آمد سے پہلے مسلمان مشائخ اور داعی کہاں کہاں جا پہنچے تھے!

سب سے پہلے جس بزرگ کا ذکر ملتا ہے، وہ ایک بوہرہ داعی تھے، جنھیں یمن سے تبلیغ کے لیے بھیجا گیا۔ ان کا نام مختلف روایتوں میں عبداللہ اور محمد لیا جاتا ہے۔ آپ پہلے کھنبائت آئے۔ پھر راجا سدھ راج جے سنگھ (المتوفی ۵۳۸ھ) کے زمانے میں پٹن گئے۔ اور برہمنوں کے لباس میں اس کے ملازم ہوئے۔ بیس سال تک آپ نے اس کے باورچی کی حیثیت سے کام کیا۔ بالآخر اُسے

---

[1] منقولہ در پریچنگ آف اسلام ص ۲۸۰

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پتا چل گیا۔ اور اس نے تنہائی میں آپ سے دریافت کیا۔ آپ نے مسلمان ہونے کا اقرار کیا تو اس نے آپ کو زندہ جلانا چاہا۔ لیکن معتقدین کہتے ہیں کہ آپ اس سے پہلے ہی وفات پا گئے اور لاش پھولوں کا ڈھیر ہو گئی۔ (غالباً احباب لاش مخفی طور پر اٹھا لے گئے اور پھول رکھ گئے۔ جیسا کہ اس عہد میں متعدد واقعات ایسے ہوئے ہیں [1]")

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ آپ نے راجا سدھ راج جے سنگھ کو مسلمان بنایا تھا، لیکن وہ پھر مُرتد ہو گیا۔ بوہروں کی تاریخ کوکبِ فلک میں لکھا ہے کہ سدھ راج جے سنگھ کو سیدی احمد نے مسلمان بنایا جو مصر سے براہ یمن گجرات کی مشہور بندرگاہ کھنبائت میں آئے اور کچھ مدت کے بعد سدھ راج کو معہ وزیر بہارمل اور تارمل کے مسلمان بنایا۔ لیکن چونکہ یہ لوگ اسمٰعیلی شیعہ تھے، اس لیے تا عمر تقیہ کرتے رہے۔ اور جب سدھ راج مر گیا تو اس کی وصیت کے مطابق اسے مخفی طور پر دفن کر دیا گیا۔ اور اس کی چارپائی پر پھول رکھ کر لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ چونکہ نیک دل عابد راجا تھا، اس لیے اس کی لاش کو دیوتا اٹھا لے گئے [2]۔

پٹن پر اس زمانے میں شاہانِ اسلام کے حملے ہو رہے تھے۔ سلطان محمود غزنوی تو ۴۱۶ھ (۱۰۲۵ء) میں ہی سومنات جاتے ہوئے یہاں سے گزرا تھا۔ لیکن محمود کا حملہ بادِ بنگال کا طوفان تھا۔ جو آیا اور چلا گیا اور اس کی کوئی مستقل یادگار قائم نہ ہوئی۔ اس کے بعد سُلطان محمد غوری نے ۵۷۴ھ میں اچ کے رستے ریگستان کو طے کر کے گجرات پر حملہ کیا۔ مگر شکست کھا کر واپس ہُوا۔ کوئی بیس سال بعد قطب الدین ایبک نے گجرات فتح کر کے نیا نائب وہاں مُقرر کیا۔ لیکن گجرات کے راجے نے اس سے یہ مُلک چھین لیا۔ گجرات کی

---

[1] تاریخ اولیائے گجرات (ترجمہ مرآۃ احمدی) از مولوی ابو ظفر ندوی ص ۱۳۷ نیز دیکھو بمبے گزیٹیر جلد نہم حصہ دوم۔ ص ۲۶۳

[2] تاریخ اولیائے گجرات ص ۱۲۷

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہندو حکومت کا مستقل خاتمہ سلطان علاء الدین خلجی نے کیا، جس نے ۱۲۹۷ء میں گجرات کے سابق وزیر مادھو کے شوق دلانے سے، جو راجہ کے ظلم و ستم کا شاکی تھا، گجرات فتح کیا۔ اور اسے مقبوضات دہلی میں شامل کیا۔

مشہور صوفی سلسلوں میں نظامی اور سہروردی بزرگوں نے پٹن پر خاص توجہ کی ہے۔ حضرت سلطان المشائخ کے تین خلفا کے نام (سید موسٰے وراق الحسنی والجشتی، مخدوم سید حسین خنگ سوار، شیخ حسام الدین عثمانی) پٹن کے بزرگوں میں ملتے ہیں۔ لیکن اولیت کا شرف شیخ حسام الدین کو حاصل ہے۔ ان کا وطن ملتان تھا۔ اور حضرت سلطان المشائخ کے خاص خلیفہ تھے۔ ۶۹۹ھ میں پٹن تشریف لائے[1] اور اکتالیس[1] برس تک رشد و ہدایات میں مشغول رہے۔ ۱۸ ذیقعدہ ۷۴۲ھ میں وفات پائی۔ سید حسین خنگ سوار ان کے برادر زادہ تھے۔ ۷۳۰ھ میں پٹن تشریف لائے اور ۷۹۸ھ میں وفات پا گئے۔ شیخ حسام الدین کے وجودِ مسعود سے ملتان اور اُچہ کے کئی اور بزرگ یہاں تشریف آور ہوئے۔ ان میں سے ایک شیخ صدرالدین، آپ کے بھانجے تھے، جو مع اہل و عیال کے ملتان سے تشریف لائے۔ پہلے ناگور میں (جو ریاست جودھپور میں ایک مشہور اور قدیم مقام ہے) مقیم ہوئے۔ اور آپ کی توجہ سے اسلام کو وہاں وقار حاصل ہوا۔ راجے کی لڑکی سے آپ نے نکاح کیا۔ پھر آپ کو شیخ حسام الدین نے مع اپنی بہن اور خاندان کے دوسرے لوگوں کے پٹن بلالیا۔ اس زمانے کے ایک اور بزرگ شیخ جمال الدین اچی ۷۳۰ھ میں پٹن تشریف لائے اور پندرہ سال ارشاد و ہدایت کے بعد ۷۴۵ھ میں انتقال کیا۔ حضرت چراغ دہلوی کی بھی پٹن کی طرف توجہ رہی ہے۔ چنانچہ ان کے مرید اور عزیز شیخ الاسلام شیخ سراج الدین یہیں آرام فرما ہیں۔

---

[1] یہ بیان تذکرہ اولیائے گجرات کا ہے۔ شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ شیخ حسام الدین اس وقت گجرات گئے جب سلطان محمد تغلق لوگوں کو دہلی چھوڑ کر دولت آباد جانے پر مجبور کر رہا تھا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گجرات بالخصوص احمد آباد میں نظامی سلسلے سے زیادہ سہروردی سلسلے نے فروغ پایا۔ اس سلسلے کے مرکز ملتان اور اچہ تھے۔ اور سندھ میں اس کے ماننے والے کثرت سے تھے۔ سندھ اور گجرات میں دُور کا فاصلہ نہیں۔ اس لیے اس سلسلے کے بزرگ کثرت سے گجرات آئے۔ اور ان تعلقات کا آغاز اس زمانے میں ہو گیا تھا، جب ابھی احمد آباد تعمیر نہ ہُوا تھا۔ اور پٹن کی آبادی بارونق تھی۔ حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشتؒ کے بھائی سید راجو قتالؒ نے گجرات کی طرف خاص دھیان رکھا۔ آپ کے کئی مُرید (مثلاً سید محمد خدا بخش، سید احمد مخدوم جہان شاہ) پٹن میں دفن ہیں۔ آپ نے ہی حضرت قطب عالم کو دو سال خاص طور پر تعلیم دے کر فرمایا کہ اہلِ گجرات کی ہدایت آپ کے ذمہ کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت قطب عالم اپنی والدہ کے ساتھ پہلے پٹن تشریف لائے اور جب احمد آباد تعمیر ہُوا (۸۱۳ھ) تو سلطان احمد کی استدعا پر احمد آباد تشریف لے گئے۔

احمد آباد کی بنا سے پٹن کی رونق کم ہو گئی۔ لیکن پھر بھی اس شہر میں بڑے بڑے نخرِ روزگار علماء و فضلا پیدا ہوتے رہے۔ ان میں سے ایک مولانا محمد طاہر پٹنی تھے، جن کے حالات ہم تفصیل سے دوسری جگہ درج کریں گے۔ انھی کے خاندان سے عہدِ عالمگیری کے قاضی القضاۃ قاضی عبدالوہاب، قاضی شیخ الاسلام اور دوسرے مشہور زمانہ علما پیدا ہوئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی پٹن کی نسبت لکھتے ہیں :۔

> درپٹن کہ بلدۂ قدیمہ ولایتِ گجرات است، مشائخ بسیار آسودہ اند۔ ودر حقیقت دراں سرزمین بُوے عشق و محبت می آید۔ واز ویرانہاے دے نور برکت و ولایت مے تابد۔ وہنوز ایں شہر از وجود اہلِ دل خالی نیست و نبودہ است۔
>
> بہر زمیں کہ نسیمے ز زلفِ او زدہ است
>
> ہنوز از سرآں بُوے عشق مے آید!

احمد آباد ۸۱۳ھ میں آباد ہُوا اور نیک نیت بانیٔ شہر نے آبادی کے وقت

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بزرگانِ دین سے استمداد کی۔ مشہور ہے کہ اس شہر کی ابتدائی بُنیاد احمد نام کے چار بزرگوں نے کی۔ ایک سلطان احمد بن محمد شاہ بن مظفر شاہ بانی شہر۔ دوسرے شیخ احمد کھٹو گنج بخش ؒ۔ تیسرے مَلک احمد۔ چوتھے قاضی احمد۔ بزرگانِ دین کی دُعا اور شاہانِ گجرات کے اقبال سے جلد ہی یہ شہر اس علاقے کے باقی شہروں سے بازی لے گیا۔ اور بزرگانِ دین اور علما و فضلا اس شہر میں کثرت سے جمع ہو گئے۔ اور ایک زمانے میں تو علم و فضل کے لحاظ سے احمد آباد کو دہلی پر فضیلت حاصل تھی۔

بھروچ

ان بزرگوں کے ساتھ جو کسی مشہور سلسلے سے منسلک نہیں صوفیہ کے تذکروں میں جس طرح بے رُخی برتی گئی ہے، اس کا اندازہ باوا ریحان کے ذکر سے ہوتا ہے، جن کا مزار بھروچ کے باہر گجرات کی ایک قدیمی زیارت گاہ ہے۔ گجرات بلکہ سارے صُوبہ بمبئی میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ دیہاتی آبادی اسی علاقے میں ہے۔ بمبئی میں عام طور پر وہ آبادی کا دس فیصدی کے قریب ہیں، لیکن ضلع بھروچ میں ان کی آبادی بیس فیصدی سے زیادہ ہے۔ اس وجہ سے خیال ہو سکتا تھا کہ اس علاقے کے بزرگوں سے بے اعتنائی نہ برتی جائے گی۔ لیکن حقیقتِ حال اس سے مختلف ہے۔ مراۃ احمدی میں باوا ریحان کی نسبت فقط ایک سطر ہے۔ "بھروچ میں قبر ہے۔ ۶ر شعبان کو عُرس ہوتا ہے"۔ نہ کوئی حالات دیے ہیں نہ جائے پیدائش نہ تاریخ وفات۔ لیکن زیادہ تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ باوا ریحان، جن کا اصل نام خدا معلوم کیا تھا، بڑے صاحبِ سطوت بزرگ گزرے ہیں۔ مسٹر فاربس نے ان کی نسبت اپنی کتاب (Oriental Memoires) میں لکھا ہے:۔

"۱۰۷۸ء اور ۴۹۲ھ میں جب بھروچ کے علاقے میں ہندوؤں کا راج تھا، بغداد سے ایک بزرگ باوا ریحان مشائخ اور فقرا کی بڑی تعداد کے ساتھ اشاعتِ اسلام کی غرض سے یہاں وارد ہوئے۔ لیکن راجہ نے ان کی مخالفت کی۔ اور اپنے بیٹے رائے کرن کو ایک بڑی فوج دے کر باوا ریحان کے مقابلے کے لیے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بھیجا۔ راے کرن باوا صاحب کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہُوا کہ اس نے باوا صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اور ملک محمّد اپنا نام رکھا۔ ان دونوں کی کوششوں سے راجے کی بیٹی بھاگ دیوی اور اس کے علاوہ بے شمار دوسرے ہندو اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر باوا ریحان کے مرید ہو گئے۔ لیکن راے کرن کے باپ نے ان کی مخالفت کی اور بالآخر باپ اور بیٹے میں بڑا سخت معرکہ ہُوا۔ باپ کامیاب رہا۔ اور راے کرن، اس کی بہن اور نومسلموں کی بھاری تعداد لڑائی میں شہید ہوئی۔ اس کے بعد راجا نے باوا صاحب سے صلح کر لی۔ اور جب ان کی وفات ہوئی تو وہ بھروچ سے باہر ایک بلند ٹیلے پر دفن ہوئے:

ایک روایت یہ بھی ہے کہ باوا ریحان کا وطن ماورالنہر تھا۔ اپنے بھائی بابا احمد اور چالیس فقرا کے ساتھ پانچویں صدی ہجری میں بھروچ تشریف لائے اور راجے سے معرکے کے بعد ۴۳۰ھ میں مدرسہ اور خانقاہ کی تعمیر کی۔ بعد میں ایک گجراتی سردار عماد الملک نے آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کروا دیا۔

ضلع بھروچ کے مسلمانوں میں زیادہ تعداد سُنّی بوہروں کی ہے، جو کاشتکاری کرتے ہیں اور اپنے کام میں مستعد، ہوشیار اور کفایت شعار ہیں۔ ان کے علاوہ اس علاقے میں تھوڑی تعداد راجپوت نومسلموں کی ہے۔ جنھیں "مولے سلام" کہتے ہیں۔ ان کے نام اور بہت سی رسمیں ہندوانہ ہیں۔

راندیر ضلع سورت میں مسلمانوں کی سب سے قدیم بستی راندیر میں ہے، جو سورت سے تین میل دُور دریاے تاپتی کے دوسری طرف واقع ہے۔ اب بھی مسلمان اس شہر کی کل آبادی کا چالیس فیصد ہوں گے۔ یہ شہر سورت کی ترقی سے پہلے بڑا مشہور تھا۔ اور قدیم تاریخوں مثلاً البیرونی کی تصانیف میں اس کا ذکر ہے۔ ۱۲۲۵ء میں یہاں جینیوں کی حکومت تھی۔ اس وقت عرب تاجروں اور ملاحوں کی ایک جماعت یہاں آکر آباد ہوئی۔ جین حاکموں سے ان کا مقابلہ ہُوا اور انھوں نے جینیوں کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ یہ عرب نوائط کہلاتے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ اور چونکہ وہ دُور دراز کے ملکوں سے تجارت کرتے تھے۔ ان کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ اب اس شہر میں نوائط بہت تھوڑے ہیں، لیکن ان کی جگہ سُنّی بوہروں نے لے لی ہے، جو برما، مشرقی افریقہ اور دوسرے ملکوں سے تجارت کرتے ہیں۔ اور عام طور پر بڑے خوشحال ہیں۔ اس شہر کی بعض مسجدیں بڑی خوبصورت ہیں۔ اور یہاں ایک تابعی کا مزار بھی بتایا جاتا ہے۔

کھنبائت رانڈیر سے بھی مشہور بندرگاہ کھنبائت کی ہے، جو قدیم ایام سے عرب اور ہندوستان کے درمیان آمد و رفت کا راستہ بنی ہوئی ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں شروع سے ہی عربوں کی آبادیاں قائم ہوگئی تھیں۔ ابتدائی بوہرے مبلّغ اور کئی دوسرے بزرگ اسی بندرگاہ کے رستے یمن اور عرب کے دوسرے حصّوں سے ہندوستان آئے۔ اور آکر گجرات اور کچھ میں اپنے عقائد کی اشاعت میں مشغول ہوگئے۔ مشہور بوہرہ فاضل محمد علی جنھیں بیر پرواز بھی کہتے ہیں، پہلے کھنبائت میں تشریف لائے۔ ان کا مزار آج بھی بوہروں کی مشہور زیارت گاہ ہے۔

کھنبائت میں اور بھی کئی بزرگوں کے مزار ہیں۔ ابنِ بطوطہ یہاں ۷۴۳ھ میں آیا۔ وہ یہاں کی مسجدوں کی بڑی تعریف کرتا ہے اور دو خانقاہوں کا خاص طور پر ذکر کرتا ہے۔ ایک حاجی ناصر کی، جو عراق کے شہر دیار بکر کے باشندے تھے اور دوسری خواجہ اسحٰق کی جہاں فقیروں کو لنگر تقسیم ہوتا تھا۔ تذکرۂ اولیائے گجرات (ترجمہ مراۃ احمدی) میں کھنبائت کے بزرگوں کا صحیح طور پر ذکر نہیں۔ ایک معذرت آمیز نوٹ ہے "واضح ہو کہ بندر کھنبائت ایک پُرانی آبادی ہے۔ اور بزرگانِ دین بے شمار قدیم ایّام سے آج تک وہاں آرام فرما رہے ہیں۔ ان تمام لوگوں کا حال لکھنا ایک مشکل کام ہے۔ کیونکہ کتنے ایسے ہیں، جن کے حالات سے آگاہی نہیں ہوئی" مصنّف نے صرف تین بزرگوں کی نسبت ایک ایک دو دو سطریں لکھی ہیں۔ ایک مولانا میاں۔ دوسرے قاضی نورالدین، جو

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضور کے نام سے مشہور۔ تیسرے بابو بہشتی جو صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ ۸۷۱ھ میں وفات پائی۔

متفرق دکن اور گجرات کے عوام میں داول شاہ کا نام اسی طرح لیا جاتا ہے جس طرح شمالی ہندوستان میں سید سالار مسعود غازی کا۔ ان کی یاد میں کئی مقامات پر چلّے قائم ہیں۔ اور ہر ایک مقام پر سالانہ عرس ہوتا ہے۔ آپ کا نام شیخ عبد اللطیف تھا۔ اور سلطان محمود بیگڑہ بادشاہ احمد آباد کے اُمرا میں سے تھے۔ بادشاہ کی طرف سے آپ کو داور الملک کا خطاب حاصل تھا، جسے بگاڑ کر عوام نے داول شاہ کر لیا۔ آپ امورِ ظاہری و باطنی دونوں میں دسترس رکھتے تھے۔ بادشاہِ وقت کی طرف سے بھی آپ فوجی خدمتوں پر مامور ہوتے تھے۔ اور بادشاہِ معنوی حضرت شاہ عالمؒ کے بھی چہیتے مُرید تھے۔ حضرت شاہ عالم نے آپ کو شہید ہونے کی بشارت دی۔ چنانچہ آپ قوم گراسیہ کے چند افراد کو مطیع کرنے گئے تھے کہ انھوں نے فریب سے آپ کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ۸۷۹ھ کا ہے[1]۔ آرنلڈ کا بیان ہے کہ کچھ کے کئی لوگوں کو آپ نے مسلمان کیا۔

عرب تاجروں کے علاوہ مسلمان سپاہی بھی کئی ہندو سلطنتوں میں ملتے تھے۔ جنھیں ہندو حکمرانوں نے اپنے ملک کی حفاظت کے لیے ملازم رکھا ہوا تھا۔ مثلاً سومنات کے راجے کے پاس مسلمان افسروں کی ایک تعداد تھی۔ اور احمد آباد کے قصباتی کہتے ہیں کہ وہ ان خراسانی سپاہیوں کی اولاد ہیں، جو واگھیلہ راجاؤں کی فوج میں ملازم تھے۔

گجرات میں اسمٰعیلی مبلغین کی کوششوں کا تفصیلی ذکر ہم آئندہ سطور میں کریں گے۔ لیکن یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سُنّی مسلمانوں نے صرف غیر مسلموں میں ہی تبلیغ نہیں کی۔ بلکہ شیخ طاہر الدین پٹنی اور دوسرے بزرگوں نے کئی اسمٰعیلیوں بالخصوص

---

[1] تاریخ اولیائے گجرات (ترجمہ مولوی ابو ظفر ندوی، ص ۷۱)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بوہروں کو سُنّی عقائد پر مائل کیا۔ جب ۱۳۹۱ء میں (سلطان) مظفر اول دہلی سے گجرات کا صوبیدار ہو کر آیا تھا تو وہ اپنے ساتھ سُنّی علما کی ایک بڑی جماعت لایا تھا چنانچہ اب گجرات میں سُنّی مسلمان غالباً شیعہ مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔ اور دونوں کل آبادی کا دسواں حصہ ہیں۔

میمن جماعت

اہلِ سُنّت والجماعت کی جس تبلیغی کامیابی کا سب سے زیادہ اثر گجرات کاٹھیاواڑ پر پڑا۔ وہ گجرات سے باہر حاصل ہوئی۔ اس وقت پاکستان اور ہندوستان کے تجارت پیشہ طبقے میں میمن جماعت کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ان کے آبا و اجداد ہندو تھے۔ اور لوہانہ[1] اور ایک دو دوسری ذاتوں میں منقسم تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے پندرھویں صدی عیسوی میں علاقہ سندھ میں اسلام قبول کیا۔ اور پھر وہاں سے کاٹھیاواڑ، گجرات، بمبئی وغیرہ میں منتقل ہوئے۔

میمن کہتے ہیں کہ پیرانِ پیر حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے آخری وقت اپنے بیٹے تاج الدین کو تلقین کی تھی کہ وہ سندھ میں جا کر اشاعتِ اسلام کریں۔ وہ تو غالباً نہ کر سکے۔ لیکن ان کی نسل میں سے ایک بزرگ سید یوسف الدین قادری ۱۴۲۱ء میں عراق عرب سے سندھ تشریف لائے۔ اس وقت ٹھٹھہ سندھ کا دارالخلافہ تھا۔ سید صاحب نے اسی کو ارشاد و ہدایت کا مرکز بنایا۔ اور جلد ہی لوہانہ خاندانوں اور ان کے سرگروہ اور ان کے بیٹوں کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ میمن انھی خاندانوں کی نسل سے ہیں۔ سید یوسف الدین تو وفات سے پہلے عراق واپس تشریف لے گئے۔ اور ان کے جانشینوں نے کاٹھیاواڑ کے راجے کی دعوت پر کاٹھیاواڑ کے مقام مندرہ کو اپنا مرکز بنایا۔ لیکن جو بیج سید صاحب نے بویا تھا، وہ پھلا پھولا اور اسلامیانِ ہند و پاکستان میں ایک

---

[1] میمنوں کی روایات کے مطابق لوہانے علاقہ ملتان کے ایک قصبہ لوہانپور سے آئے تھے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محنتی، سمجھدار، راسخ الاعتقاد اور منظم جماعت کا اضافہ ہُوا۔

عام طور پر اسمٰعیلی، مصر کے فاطمی خلفا کو اپنا سیاسی اور مذہبی سرگروہ مانتے تھے اور ہندوستان کے دو اسمٰعیلی فرقوں کا اختلاف ان خلفا کی جانشینی پر ہُوا۔ ان خلفا میں سے خلیفہ مستنصر کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام نزار تھا اور چھوٹے کا مستعلی۔ خلیفہ کی وفات کے بعد ان میں جانشینی پر لڑائی ہوئی۔ اور دو فرقوں کا آغاز ہُوا۔ نزار سے جو فرقہ چلا۔ اس کی ترجمانی خوجے کرتے ہیں۔ اور بوہرے مستعلی کی جانشینی کے قائل ہیں۔ لیکن یہ اختلاف فقط شخصی نہ رہا۔ نزاریوں میں حسن بن صباح (متوفی ۱۱۲۴ء) نے اسمٰعیلی مذہب کو نئے سرے سے ترتیب دیا۔ مذہب کی اشاعت و تبلیغ کے نئے اصول وضع کیے اور اپنا رشتہ مصر سے توڑ لیا۔ اب ان کی دعوت کا مرکز ایران تھا۔ مصر و یمن کے اسمٰعیلی مستعلی کی امامت کے قائل اور قدیم مذہبی روایات کے پابند رہے۔ اور جب مصر میں انھیں زوال ہُوا تو انھوں نے اپنی دعوت کا مرکز یمن میں منتقل کر لیا، جہاں سے ہندوستان میں ان کے خیالات کی اشاعت ہوتی رہی۔

قرامطہ اسمٰعیلی خیالات کی سب سے پہلی جماعت جس کا ذکر پاک و ہند کی تاریخ میں ملتا ہے، قرامطہ ہے۔ جن کے داعی نویں صدی عیسوی ہی میں قاہرہ، عراق، حضر موت اور یمن سے مغربی پاکستان میں آنے شروع ہوئے۔ اور آہستہ آہستہ انھوں نے سندھ اور مغربی پنجاب میں بڑا اقتدار حاصل کر لیا۔ مذہب کے لیے ان کے دل میں بڑا جوش تھا۔ ملتان پر قابض ہونے کے بعد انھوں نے شہر کا قدیمی مندر جسے محمدؐ بن قاسم نے برقرار رہنے دیا تھا، مسجد میں تبدیل کر دیا۔ ان کی تبلیغی کوششیں بھی بڑی وسیع اور منظم تھیں۔ لیکن اہلِ سُنّت والجماعت سے ان کے شدید مذہبی اور سیاسی اختلافات تھے۔ اور ہندوستان پر محمود غزنوی کی مہموں کا ایک مقصد قرمطیوں کی بیخ کنی بھی تھا۔ چنانچہ اس نے منصورہ کے اسمٰعیلی گورنر کو شکست دے کر ایک سُنّی مسلمان کو

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حکومت تفویض کی۔ محمود کے جانے کے بعد ان لوگوں نے پھر غلبہ پالیا۔ اور محمد غوری کو دوسری دفعہ یعنی ۱۱۷۵ء میں ملتان ان کے قبضے سے چھڑانا پڑا۔ سلطان محمد غوری کی موت بھی اسی فرقے کے ایک فدائی کے ہاتھوں ہوئی۔

اسلامی حکومت کے استحکام اور سُنّی خیالات کی اشاعت کے بعد قرامطہ کا زور جاتا رہا۔ اب وہ "آپ ہی آپ اور خود رو طریقے سے اسمٰعیلی بن رہے تھے۔ لیکن غزنوی اور غوری ان سب کو ملاحدین سمجھ کر (سیاسی اور مذہبی اسباب کی بنا پر) ان کی بیخ کنی میں سختی سے کوشاں تھے۔ اب جو لوگ اسمٰعیلی خیالات کے تھے انھوں نے یا تو اپنے خیالات کے اظہار میں اخفا سے کام لیا۔ یا حکومت کے مرکز سے دُور گجرات اور کچھ کی طرف چلے گئے۔ ان لوگوں کے مذہبی عقاید اور سیاسی عزائم میں بھی کچھ تبدیلی ہوگئی۔ تیرھویں صدی عیسوی کے وسط کے بعد قرامطہ کا ذکر ہندوستانی تواریخ میں نہیں ملتا۔ لیکن ان کے جانشین خوجے اور بوہرے موجود ہیں جن کی اہمیت ان کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔

خوجے بوہروں اور عام مسلمانوں کے عقائد و عبادات میں وہ اختلاف جو عام اسمٰعیلیوں کو فرقہ اہلِ سُنّت والجماعت سے ہے موجود ہے اور ان میں بعض ہندوانہ باتیں بھی ایسی ہیں جو نو مسلم بوہرے اپنے قدیم مذہب سے لے آئے۔ یا جنھیں بوہرہ مبلغوں نے مقامی سہولتوں کے لحاظ سے اختیار کر لیا۔ لیکن ان بنیادی اور گنے چُنے اختلافات کے علاوہ بوہرے ٹھیٹھ مسلمان ہیں۔ انھوں نے نزاریوں کی طرح اصول اسلام کو توڑ موڑ کر غیر مسلموں کے حسب مذاق نہیں بنایا۔ اسمٰعیلیوں کی دوسری جماعت یعنی آغاخانی خوجوں کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان کے نظام و عقائد میں کئی باتیں نیم مسلم بلکہ خالص طور پر غیر اسلامی ہیں۔ ہمیں کئی ایسے خوجوں کے ساتھ رہنے سہنے اور نماز و عبادت کا موقع ملا ہے، جنھیں عام مسلمانوں سے تمیز کرنا بڑا مشکل ہے لیکن جماعت کا دائرہ بڑا وسیع ہے اور ان میں کئی ایسے طبقے شامل ہیں، جن کا اسلام سے بہت دُور کا تعلق ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نُورِ ست گُرو۔ خوجے زیادہ تر پنجاب، سندھ، کچھ، کاٹھیاواڑ اور صوبہ بمبئی میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے پہلے داعی کا اصلی نام غالباً نُورالدین یا نُور شاہ تھا۔ لیکن وہ عوام الناس میں نورِ ست گرو کے نام سے مشہور تھے۔ انھیں بارھویں صدی میں قلعہ الموت سے بھیجا گیا۔ انھوں نے گجرات میں تبلیغ کی۔ پہلے وہ گجرات کے دارالخلافہ پٹن میں آئے۔ پھر کچھ عرصے کے لیے ایران چلے گئے۔ واپس آکر نوساری کے قرب و جوار میں ارشاد و ہدایت شروع کی۔ اور اسماعیلی روایات کے مطابق نوساری کے ہندو راجے کی بیٹی سے شادی کی۔ اپنی کرامات سے بہت سے لوگوں کو مسخر کرلیا۔ اپنا نام ہندوانہ رکھا۔ لیکن مسلمان انھیں نورالدین یا سید سعادت کہتے تھے۔ اور انھوں نے کنبی، کہار اور کوبی قوم کے لوگوں کو جو گجرات کی نیچ ذاتیں تھیں۔ اسمٰعیلی مذہب میں شامل کیا۔[۱]

مورخین نے سلطانہ رضیہ کے واقعاتِ حکومت کے ضمن میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۲۳۷ء میں نور ترک نامی ایک شخص نے گجرات، سندھ وغیرہ کے "قرامطہ و ملاحدہ" کے ساتھ دارالخلافہ دہلی پر خروج کیا۔ اس واقعہ کے متعلق طبقاتِ ناصری میں ذیل کا اندراج ہے:-

"اور ان واقعات میں سے جو سلطانہ رضیہ کے ابتدائے عہد حکومت میں رونپذیر ہوئے سب سے اہم یہ تھا کہ ہندوستان کے قرامطہ و ملاحدہ نور ترک نامی ایک عالم نما شخص کے اکسانے پر ہندوستان کے دوسرے حصوں مثلاً گجرات اور سندھ، دارالخلافہ دہلی کے گرد و نواح اور جمنا اور گنگا کے کناروں سے جمع ہوئے۔ اور مل کر بیعت کی اور اس نور ترک کی انگیخت پر اہل اسلام پر حملہ کیا۔ یہ نور ترک وعظ کہا کرتے تھے اور عوام الناس اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ وہ

---

[۱] آرنلڈ۔ دعوتِ اسلام۔ ان کا مزار ریاست بڑودہ کے شہر نوساری میں بتایا جاتا ہے۔
(ملاحظہ ہو۔ صوبہ بمبئی کا گزیٹر جلد نہم۔ حصہ دوم۔ صہ ۶۲)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اہلِ سنت والجماعت کو ناصبی اور مرجی کہتا تھا اور عوام الناس کو حنفی اور شافعی علما کے خلاف بھڑکاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دن مقرر ہوا اور ملاحدہ و قرامطہ کا یہ سارا گروہ ۶۔ رجب ۶۳۴ھ کو بروز جمعہ، قریباً ایک ہزار آدمی کے ساتھ "تلواروں ڈھالوں اور کلہاڑوں سے مسلح ہو کر ایک فوج کی صورت میں جامع مسجد دہلی میں آ گھسے۔ ان کا ایک حصہ نئے قلعے کی طرف سے جامع مسجد کے شمالی دروازے میں آیا اور دوسرا گروہ بازار بزازان میں سے ہوتا ہوا مدرسہ معزی کو جامع مسجد سمجھ کر اس میں آن گھسا۔ اور دونوں طرف سے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ بہت سے لوگ تو ملاحدہ کی تلواروں کا شکار ہوئے اور کئی ہجوم میں کچلے گئے۔ جب اس فتنے کے خلاف آواز بلند ہوئی تو دارالخلافے کے بہادر مثلاً نصیر الدین ایتمی اور امیر امام ناصر شاعر اور دوسروں نے زرہ اور خود پہن کر، نیزہ و سپر وغیرہ سے مسلح ہو کر مسجد کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر تیغ زنی شروع کی۔ اور جو مسلمان جامع مسجد کی چھت پر تھے، انھوں نے اینٹ پتھر برسائے۔ حتیٰ کہ ملاحدہ و قرامطہ راہیٔ دوزخ ہوئے۔ اور اس فتنے کا خاتمہ ہوا۔" (ترجمہ از طبقاتِ ناصری ص ۱۸۹)

منہاج سراج نے بالتصریح نور ترک کو قرامطہ اور ملاحدہ کا سرگروہ کہا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بعض صوفیہ اس کے مخالف نہ تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نے طبقاتِ ناصری کے اس اندراج کی نسبت جو اظہارِ خیال کیا، اس سے نور ترک کے لیے ہمدردی ٹپکتی ہے۔ فوائد الفواد میں امیر حسن سنجری آپ کی زبانی لکھتے ہیں (ترجمہ):۔

"مولانا نور ترک کی بابت ذکر شروع ہوا تو میں نے عرض کی کہ بعض علما نے اس کے مذہب کے بارے میں کچھ کہا ہے۔ فرمایا نہیں۔ آسمان سے جو پانی برستا ہے وہ اس سے بھی زیادہ پاکیزہ تھا۔ میں نے عرض کی کہ میں نے طبقاتِ ناصری میں لکھا دیکھا ہے کہ اس نے علمائے شریعت کو ناجی اور مرجی کہا ہے۔ فرمایا اسے علمائے شہر سے بڑا تعصب تھا۔ اس واسطے کہ وہ انھیں دُنیا کی آلودگی سے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آلودہ دیکھتا تھا اور اس واسطے علما بھی اس سے مختلف چیزیں منسوب کرتے تھے۔

پھر میں نے عرض کی کہ مرجی اور ناجی کون ہوتے ہیں۔ فرمایا ناجی رافضی کو کہتے ہیں اور مرجی ان لوگوں کو کہتے ہیں، جو ہر جگہ سے امید رکھیں۔ اور پھر فرمایا کہ مرجی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک خالص۔ دوسرے غیر خالص۔ خالص وہ ہے جو صرف رحمت کا ذکر کرے اور مرجی غیر خالص وہ جو رحمت کی بابت بھی کہے اور عذاب کی بابت بھی اور یہی صحیح مذہب یہی ہے۔

بعد ازاں مولانا ترک کی بابت فرمایا کہ آپ کی بات میں بڑا زور تھا، لیکن آپ نے ہاتھ کسی کے آگے نہیں پھیلایا۔ جو کچھ کہتے علم اور مجاہدہ کی قوت سے کہتے۔ آپ کا ایک غلام تھا، جو آپ کو ہر روز ایک درم دیا کرتا تھا۔ اور یہی آپ کی وجہ معاش تھی۔

پھر فرمایا کہ جب آپ مکے گئے تو وہیں سکونت اختیار کی۔ اس ولایت کا ایک آدمی وہاں گیا اور اس نے دو سیر چاول آپ کو دیے۔ آپ نے لے کر دعا دی۔ لیکن اس سے پہلے دہلی میں ایک مرتبہ سلطانہ رضیہ نے کچھ سونا آپ کی خدمت میں بھیجا تو آپ لکڑی اٹھا کر اس زر کو پیٹنے لگے کہ یہ کیا ہے اسے لے جاؤ۔ جب مکے میں اس آدمی نے دو سیر چاول دیے اور آپ نے لے لیے تو اس کے دل میں خیال آیا کہ ہے تو یہ وہی بزرگ، جس نے دہلی میں زر کو اس طرح رد کر دیا تھا اور اب دو سیر چاول قبول کرتا ہے۔ اس پر مولانا نور ترک نے فرمایا کہ صاحب مکے کو دہلی جیسا قیاس نہ کرو۔ نیز میں اُن دنوں جوان تھا۔ اب وہ قوت اور تیزی کہاں رہی۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ یہاں کا دانہ دنکا بھی عزیز ہے۔

بعد ازاں فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا ترک نے ہانسی میں وعظ کہا۔ میں نے شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس سرہ العزیز کی زبانی سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے بارہا آپ کی وعظ و نصیحت سنی۔ جب آپ ہانسی پہنچے تو میں نے جا کر آپ کی وعظ و نصیحت سننی چاہی۔ میں اس وقت پھٹے پرانے رنگ برنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ کبھی مجھ سے پہلے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو مجھ پر نظر پڑتے ہی فرمایا کہ مسلمانو اب سخن کا صراف آ گیا ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعد ازاں اس قدر تعریف کی کہ کبھی کسی بادشاہ کی بھی نہ کی ہوگی!" (ترجمہ از فوائد الفواد صر ۱۹۸-۱۹۹)

قیاس کہتا ہے کہ مولنا نور ترک جن کا طبقات ناصری اور فوائد الفواد میں ذکر ہے، وہی نورست گر ہوں گے جنھیں اسمٰعیل خوجے اپنا پہلا داعی بتاتے ہیں۔ اور جنھوں نے ہندوستان میں سُنّی حکومت کی غیر مستحکم حالت کا فائدہ اُٹھا کر یہاں بھی مصر کی طرح اسمٰعیلی جھنڈا لہرانا چاہا۔ نورست گر کو خوجے اپنا پہلا مبلغ کہتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نورست گر کے آنے سے پہلے پاک و ہند میں اسمٰعیلی نہ تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ مغربی پاکستان میں تو اسمٰعیلی بالکل ابتدائی زمانے سے آگئے تھے۔ بلکہ ایک زمانے میں وہ مُلتان اور منصورہ کے حکمران ہوگئے تھے۔ لیکن وہ زیادہ تر قرمطی تھے، جو بعد میں اسمٰعیلیوں میں جذب ہوگئے۔ لیکن جن کے عقائد اسمٰعیلی عقائد سے بہت سی باتوں میں مختلف تھے۔

خوجوں کا سلسلہ مشہور اسمٰعیلی داعی حسن بن صباح سے ملتا ہے، جس نے ۱۱۲۴ء میں وفات پائی۔

شاہ شمس سبزواری

خوجوں کے دوسرے مبلغ شاہ شمس تھے جو ملتان میں ایک بڑے شاندار روضے میں آرام فرما ہیں۔ انھیں عام طور پر شاہ شمس تبریز کہا جاتا ہے۔ لیکن خوجہ روایات کے مطابق وہ ایران کے شہر سبزوار سے تشریف لائے۔ ان کی نسبت متعدد روایات عوام میں مشہور ہوگئی ہیں۔ اولیا اور مشائخ کے بعض تذکروں میں ان کو صوفیائے کرام میں شمار کیا گیا ہے۔ اور ان کی نسبت ایک روایت مشہور ہے کہ جب ملتان کے ایک قصاب نے انھیں گوشت کی بوٹی بھون کر دینے سے انکار کیا تو انھوں نے سورج کی طرف ہاتھ اُٹھایا۔ سورج سوا نیزے پر آگیا۔ جس سے انھوں نے اپنی بوٹی بھون لی۔ لیکن شہر میں قیامت برپا ہوگئی۔

پنجاب کی ایک جماعت، جو بظاہر ہندوؤں میں شامل ہے اور خوجوں کے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

موجودہ امام آغا خان کو اپنا دیوتا تسلیم کرتی ہے۔ اپنے آپ کو شاہ شمس کے نام پر شمسی کہتی ہے۔[1]

خوجوں کی تاریخ بلاغ المبین کے مطابق آپ کی وفات ۱۳۵۶ھ میں ہوئی۔ لیکن یہ تاریخ غالباً غلط ہے۔ ملتان گزیٹیر کے مطابق آپ کی تاریخ ولادت ۱۱۶۵ھ ہے۔ اور آپ کو حضرت بہاء الدین بہاء الحق کا ہمعصر لکھا ہے۔

سہروردی روایات کے مطابق مشہور سہروردی بزرگ شیخ رکن الدین ملتانی کو "رکن الدین عالم" کا لقب آپ نے عطا فرمایا تھا، جو مختصر ہو کر "رکن عالم" رہ گیا۔

(بزم صوفیہ صفحہ ۲۶۲)

پیر صدر الدین

اسمٰعیلی خوجہ جماعت کے سب سے بڑے داعی جنھوں نے نام نزاری عقائد کو ہندوستانی ماحول کے مطابق نئے سرے سے ترتیب دیا۔

پیر صدر الدین تھے، جو خراسان سے پاکستان آئے اور اب ریاست بہاول پور میں مدفون ہیں۔

پیر صدر الدین کی نسبت موجودہ آغا خانیوں کا بیان ہے کہ آغا خان کے ایک

---

[1] چشمۂ کوثر کی پہلی اشاعت پر ایک معزز بزرگ نے اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے ایک شکایت بھی کی "لیکن افسوس ہے کہ آپ نے سرکار ملتان حضرت شمس تبریز کا ذکر تک نہ کیا۔ حالانکہ یہ ...... بزرگ حضور شمس تبریز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمان کردہ ہیں"

یہ بیان خاندانی روایات پر مبنی ہے، لیکن یہ امر ضرور غور طلب ہے کہ پنجاب میں شیخ قوم کے نومسلموں کو (جو اس وقت اسمٰعیلی نہیں) کھوجہ یا خوجہ کہا جاتا ہے۔ کیا یہ غیر ممکن ہے کہ وہ سُنّی ہونے سے پہلے اسمٰعیلی خوجے تھے۔ اور راسخ الاعتقاد سُنّی مسلمان بننے سے پہلے ایک نیم اسلامی روحانی منزل میں سے گزرے ہیں؟ (یا تاجر قوم کے سب لوگوں کو خوجہ کہا جاتا تھا؟) بمبئی گزیٹیر جلد نہم۔ حصہ دوم۔ صہ ۴۱) میں لکھا ہے۔ کہ پنجاب کے خوجے سولھویں صدی کے وسط میں سُنّی ہونے لگے۔ اس لیے امام وقت نے ایک نیا نائب ایران سے بھیجا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

مورثِ اعلیٰ شاہ اسلام شاہ نے انھیں داعی بنا کر ایران سے بھیجا۔ اور جو لوگ اُن کے یا ان کی اولاد کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے وہ شروع سے اسمٰعیلی تھے۔ اور اسمٰعیلی امام کے پاس آمدنی کا دسواں حصّہ نذرانہ بھیجتے تھے[1]۔

پیر صدر الدین نے ایران سے آکر ہندوستان میں اسمٰعیلیوں کی تین جماعتیں منظم کیں، جن کے منتظم پنجاب میں مکھی سیٹھ شام داس لاہوری، کشمیر میں مکھی سیٹھ ٹلسی داس اور سندھ میں مکھی ترکیم تھے[2]۔ سندھ اور مغربی پنجاب میں لوہانہ قوم کے بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ اسمٰعیلیوں کا پہلا جماعت خانہ سندھ کے گاؤں کوہارہ میں پیر صدر الدین کے ہاتھوں قائم ہوا۔ اسمٰعیلیوں کے بیان کے مطابق پیر صدر الدین سنہ [illegible]ھ میں سبزوار میں پیدا ہوئے۔ اور ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں (۱۳۱۸ء میں) وفات پائی۔

ریاست بہاول پور کے سرکاری گزیٹیر میں پیر صدر الدین کا ذکر حاجی سیّد صدر الدین کہہ کر کیا گیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ اکثر ہندوؤں کے درمیان رہتے اور انھوں نے بہت سے ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ ہندو انھیں مچھر ناتھ کہتے ہیں۔ سندھ کے بہت سے خوجے ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اور انھی نے

---

[1] برٹن نے اپنی کتاب تاریخ سندھ (۱۸۵۱ء) کے ص ۲۱۰ پر سرار سکن پیری کے چند فقرے نقل کیے ہیں، جن سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بعض خوجے آغا خان کو اس پیر کی، جس نے انھیں مسلمان کیا تھا۔ (یعنی پیر صدر الدین کی) اولاد سمجھتے تھے۔ برٹن نے اس بیان کو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ۱۸۶۶ء میں بمبئی ہائیکورٹ میں ایک اہم مقدمہ دائر ہوا تھا، جس میں ایک جماعت کہتی تھی کہ چونکہ پیر صدر الدین سُنّی تھے، اس لیے موجودہ خوجے بھی سُنّی سمجھے جانے چاہئیں اور ان پر آغا خاں کا کوئی حق نہیں۔ عدالت کا فیصلہ اس جماعت کے خلاف تھا۔

[2] و [3] ملاحظہ ہو اسمٰعیلیوں کی تاریخ (انگریزی) از مسٹر اے۔ ایس پکلے (ص ۶۳-۶۴)

www.KitaboSunnat.com

ان کا روضہ تعمیر کیا۔

بہاولپور گزیٹر کے مطابق سید صدرالدین کا سلسلہ امام حسین علیہ السلام سے تئیسویں ۲۳ پشت میں مل جاتا ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ سید صاحب کی وفات اچہ میں ہوئی۔ لیکن انھوں نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری نعش کو صندوق میں بند کرکے اونٹ پر رکھ دیجیے۔ جہاں یہ اونٹ بیٹھے وہیں مجھے دفن کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اونٹ ریاست بہاولپور کے ایک گاؤں ترندہ گورگنج کے قریب رُک گیا۔ اور وہیں مزار تعمیر ہوا۔ قریب ہی پیر صدرالدین کے بیٹے سید غیاث الدین دفن ہیں۔ جب بہاولپور گزیٹر لکھا گیا (۱۹۰۴ء) اس وقت سجادہ نشین سید الٰہی بخش شاہ تھے، جو اپنے آپ کو پیر صدرالدین کی نسل سے بتاتے تھے۔ بہاولپور میں پیر صدرالدین کو چہل انگشتی روضہ والا صاحب بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نسبت مشہور ہے کہ ان کی اولاد میں سے چہل انگشتی اولیا ہوئے۔[۱]

پیر صدرالدین اور ان کے صاحبزادے سید کبیرالدین حسن نے اسمٰعیلیوں میں نئی رُوح پھونک دی۔ اور یہ زمانہ ان کی کامیاب اشاعتِ مذہب کے لیے یادگار ہے۔ شیخ صدرالدین نے نزاری فرقہ کے طریقِ تبلیغ کے مطابق اپنا نام ہندوؤں کا سا رکھا۔ اور ہندو مذہب کے بعض عقائد کو صحیح تسلیم کیا۔ تاکہ

---

[۱] مرآتِ احمدی میں پیر صدرالدین کے پوتے (سید امام الدین) کا حسبِ ذیل شجرۂ نسب درج ہے:۔

"سید امام الدین بن سید کبیرالدین حسن بن سید صدرالدین محمود بن سید شہاب الدین بن سید نصیرالدین۔ بن سید شمس الدین بن سید صلاح الدین صالح بن سید اسلام الدین بن سید عبدالمومن بن سید خالد بن سید محب الدین بن سید محمود بن سید محمد ہاشم بن سید احمد ہادی بن سید جمال مستنصر باللہ بن سید عبدالمجید بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسمٰعیل ثانی بن سید نزارالدین بن سید اسمٰعیل بن حضرت جعفر صادق"۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسمٰعیلیہ مذہب کی اشاعت میں آسانی ہو۔ انھوں نے ایک کتاب دس اوتار کے نام سے لکھی یا رائج کی۔ جس میں رسولِ اکرم کو برہما۔ حضرت علی کو وشنو اور حضرت آدم علیہ السلام کو شنو سے تعبیر کیا ہے۔ یہ کتاب خوجہ قوم کی مقدس کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اور مذہبی تقریبوں پر اور نزع کے وقت مریض کے بستر کے قریب پڑھی جاتی ہے۔

پیر صدر الدین کے پانچ بیٹے تھے۔ حسن کبیر الدین، ظہیر الدین، غیاث الدین، رکن الدین، تاج الدین (خواجہ شاہ طرل) ان میں موخرالذکر کا مزار سندھ میں حیدرآباد کے قریب ٹنڈھو باگھو سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اور سندھی خوجے ان کے بڑے معتقد ہیں۔ لیکن پانچ بھائیوں میں سب سے زیادہ شہرت سید کبیر الدین حسن المتوفی ۱۴۹۰ء کو حاصل ہے، جنھیں امام وقت نے ان کے والد کی طرح پیر کا خطاب دے رکھا تھا۔ اور ہندوستان میں اپنا داعی اور وکیل مقرر کیا تھا۔ ان کی نسبت ریاست بہاولپور کے گزیٹیر میں لکھا ہے کہ انھوں نے بے شمار ہندوؤں کو مسلمان کیا اور ان کی نسبت مشہور تھا کہ جس ہندو پر ان کی نظر پڑ جاتی وہ مسلمان ہونے کے لیے بے قرار ہو جاتا۔ انھیں حسن دریا بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ سندھ کے ہندوؤں کا ایک قافلہ گنگا کی جاترا کے لیے سندھ سے روانہ ہوا۔ جب یہ لوگ اچہ شریف پہنچے تو سید کبیر الدین حسن نے ان سے کہا کہ تم اتنی دور کیوں جاتے ہو۔ میں تمھیں گنگا اور جمنا کے درشن یہیں کرا دیتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ وہ بولے کہ اچھا۔ سید کبیر الدین نے کہا کہ تم گنگا اور جمنا کی علامتیں نامزد کر لو اور پھر آزماؤ کہ یہ علامتیں یہاں نظر آ جاتی ہیں یا نہیں۔ چنانچہ یہ علامتیں نامزد ہوئیں اور پیر صاحب سے کہا گیا کہ اپنی کرامات دکھائیں۔ دوسرے روز صبح کے وقت جاتریوں نے

لہ سندھ گزیٹیر میں لکھا ہے کہ پیر صدر الدین نے ایک عالم برہمن سے اپنے کام میں مدد لی۔ (ص۳۴۶)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیکھا کہ گنگا اور جمنا دونوں ان کے قریب بہ رہی تھیں اور ان میں سب طے شدہ علامتیں موجود تھیں۔ چنانچہ جاتریوں نے اسلام قبول کیا اور پیر کبیرالدین حسن کا نام حسن دریا مشہور ہوا۔

پیر کبیرالدین کا مزار اچہ شریف سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے خوجوں کی ایک کتاب گنان مرتب کی۔ (اگرچہ بعضے اس کتاب کو ان کے والد سے منسوب کرتے ہیں۔) پیر کبیرالدین حسن کی نسبت شیخ عبدالحق محدث اپنے تذکرہ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:-

"سید کبیرالدین حسن رحمۃ اللہ علیہ سیاحت بسیار کرد و بعد ازاں در اچہ سکونت کرد۔ گویند کہ وے صد و ہشتاد سال عمر داشت۔ واللہ اعلم۔ گویند کہ از وے خوارقِ عادت بوجود مے آمد و اعظم و اشہر خوارق او اخراجِ کفار بود از کفر بسوے اسلام و ہیچ کافر را بعد از عرض کردن او اسلام را بر وے طاقت نماندے و در قبولِ بے اختیار شدے۔ جماعہ کفار پیش مے آمدند و مسلمان مے شدند و گویند کہ ایں نسبت در بعضے اولاد او نیز موجود بود۔

گویند بعضے از اولادِ او بسبب ہوائے نفس و دنیا بہ بدعتہا مبتلا شدند۔ و اخترا اعمالے عجیب پیدا کردند۔ و بہ چیزہائے غریب منسوب گشتند واللہ اعلم و ایں سبب طعن و بدنامیِ سلسلہ او باشد۔ وفات او ہشت صد و نود و شش ۸۹۶ و قبر او در اچہ است۔" (ص ۲۱۳)

تاریخ اوچ میں مولوی حفیظ الرحمان نے سید کبیرالدین حسن کی نسبت ذیل کا اندراج دیا ہے، جو غیر مصدقہ مقامی روایات پر مبنی معلوم ہوتا ہے:-

---

[1] گلزارِ شمس تبریزؒ کے مطابق پیر کبیرالدین کی سات بیویاں تھیں۔ جن کے بطن سے اٹھارہ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ یہ اٹھارہ لڑکے مغربی پنجاب، سندھ، کاٹھیاواڑ، گجرات کے مختلف شہروں میں جا کر بس گئے اور اسمٰعیلی عقائد کی اشاعت کا مرکز بن گئے (حبل المتین ص ۲-۵)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"آپ کے پردادا سید شاہ شمس الدین سبزواری سال ۵۹۸ھ میں ملتان آئے اور وہیں ۶۷۵ھ میں وفات پائی تھی۔

حسن دریا' سہروردی سلسلے کے ذکر و مشاغل میں مصروف رہے۔ اسی کی تلقین اور ارشاد فرماتے رہے۔ مگر آپ کی اولاد کا مذہب اثنا عشری ہے۔ ادچ کے خوجے اپنے آپ کو ایرانی النسل تجار بیان کرتے ہیں۔ وہ اکثر اسمٰعیلی ہیں۔ مشہور فرقہ اسمٰعیلیہ آپ کے بزرگ شاہ اسمٰعیل سے منسوب ہے۔ ادچ کے اسمٰعیلی خوجے بالعموم اب اثنا عشری ہو گئے ہیں۔ اس سلسلے کے بزرگ بطور تقیہ اپنے آپ کو سہروردی صوفی سلسلہ سے منسوب ہونے کے مدعی ہیں" (ص ۱۰۱)

پیر صدر الدین اور پیر کبیر الدین حسن کی تبلیغی کوششوں کا مرکز سندھ اور مغربی پنجاب تھا۔ لیکن جب فیروز تغلق کے زمانے سے سندھ کے حکمران خاندان پر اسلامی رنگ غالب آنا شروع ہوا۔ اور مخدوم سُرخپوش بخاری حضرت مخدوم جہانیاں' سید راجو قتال اور بعد میں قادری بزرگوں کی وجہ سے اچہ اور اردگرد کے علاقے میں سُنی اثرات غالب آ گئے تو اسمٰعیلی مبلغوں نے کچھ، گجرات اور مغربی ہندوستان کی طرف زیادہ توجہ شروع کی۔

بمبئی گزیٹیر (جلد نہم حصہ دوم) میں خان بہادر منشی فضل اللہ لطف اللہ لکھتے ہیں کہ جب سولھویں صدی عیسوی میں پنجاب کے خوجے سُنی ہونے شروع ہوئے تو امام وقت نے ایک راسخ الاعتقاد سندھی خوجہ دادُو (یا دادو) کو ایران بلایا۔ اسے اپنا نائب یا پیر نامزد کیا۔ اور پاک و ہند میں اسمٰعیلی تبلیغ کے لیے واپس بھیجا۔ لیکن سندھ کے سومرہ حکمرانوں نے دادو کی مخالفت کی۔ اور اسے ۱۵۴۹ء میں سندھ چھوڑ کر کاٹھیاواڑ میں پناہ لینی پڑی۔ یہاں وہ پہلے جام نگر میں آیا' جہاں کے راجے نے اس کا خیر مقدم کیا۔ پھر کچھ کی راجدھانی بھوج میں چلا گیا۔ پیر دادو کی وفات ۱۵۹۴ء میں ہوئی۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا صادق ہُوا۔ لیکن اس کے بعد پیر کا عہدہ ختم ہُوا۔ اور امام وقت کے نائب کو وکیل کہا جانے لگا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۸۴۵ء میں خود امام وقت یعنی آغا خان ہندوستان میں آگیا۔ اور اب پیر اور وکیل کا عہدہ ختم ہو گیا۔ شروع میں اس سلسلے کے لوگ سُنیوں کی مسجدوں میں نماز پڑھتے تھے۔ اور ان کی بیاہ شادی، جنازہ وغیرہ کی رسومات بھی سُنی یا اثنا عشری مولویوں کے زیر اہتمام بجالائی جاتیں۔ لیکن ۱۸۶۶ء میں آغا خاں اوّل نے حکم نامہ جاری کیا کہ ان موقعوں پر آغاخانیوں کی ہی قیادت کی جائے۔ اکثر آغاخانیوں نے اس پر عمل کیا۔ لیکن موجودہ آغا خاں نے پھر سے اپنے پیرووں کو عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے اور نمازِ عید وغیرہ پڑھنے کی ہدایت کی ہے۔

سیّد امام الدین اور مومنہ جماعت

نزاری سلسلے کے ایک اور مبلغ سیّد امام الدین تھے۔ جنھیں عوام امام شاہ کہتے ہیں۔ ان کے پیرو آغاخانیوں کے سلسلۂ امامت کے پابند نہیں۔ لیکن وہ اپنے بانی کو نزار کی اولاد میں سے بتلاتے ہیں۔ اور انھوں نے عام اسمٰعیلی طریقۂ تبلیغ کی پیروی میں مقامی باشندوں کی کئی باتیں قبول کر لی ہیں۔ لیکن ان کا امام شاہی یا ست پنتھی طریقہ اسمٰعیلی خوجوں کی نسبت کبیر پنتھی اور نانک پنتھی طریقوں سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ اور اس فرقے میں نزاری سلسلۂ امامت کی بھی پابندی نہیں۔ تاریخ اولیائے گجرات (ترجمہ مراۃ احمدی) میں سیّد امام الدین کی نسبت لکھا ہے: "آپ کے والد کا نام کبیرالدین تھا۔ عراق سے ہند تشریف لا کر ہدایتِ خلق میں مشغول ہوئے۔ صاحبِ کرامات تھے۔ اکثر ہندو آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔"

سیّد امام الدین کو گجرات میں نمایاں کامیابی ہوئی۔ ان کے پیرووں کو مومنہ یا ست پنتھی کہتے ہیں۔ چونکہ ان میں ابھی بہت سی ہندوانہ رسمیں موجود ہیں اس لیے اس مُلک کے مشائخ اس طرف کم متوجہ ہیں ان کے عرسوں میں کم جاتے ہیں۔ جماعت کا نظام سیّد امام الدین کے ایک جانشین کے ہاتھ میں ہے جسے "کاکا" کہتے۔۔ اور جو تجرد کی زندگی بسر کرتا ہے۔ عرصے سے "کاکا" کوئی ہندو

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔ لیکن خواجہ حسن نظامی کا بیان ہے کہ "کاکا باطن میں مسلمان" ہے۔ اس طریقے کے جو لوگ بظاہر ہندو رہتے ہیں، انھیں "گپتی" (یعنی پوشیدہ) کہتے ہیں۔ اور جو ظاہر طور پر بھی مسلمان ہوتے ہیں۔ انھیں مومنہ کا لقب دیا جاتا ہے۔

سید امام الدین کی قبر احمد آباد کے قریب پیرانہ میں ہے۔

سید امام الدین فی الحقیقت پیر سید کبیر الدین حسن کے بیٹے تھے بمبئی گزیٹر میں لکھا ہے کہ سندھی خوجوں نے ان کی مخالفت کی۔ اور سندھ سے برگشتہ ہو کر انھوں نے گجرات کا رُخ کیا۔ جہاں سلطان محمود بیگڑہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ ان کا طریقِ کار عام اسمٰعیلی طریقے سے مختلف تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے امامِ وقت کے لیے دسوندھ (یعنی پیروؤں کی آمدنی کا دسواں حصہ) لینے کی مذمت کی۔ اس لیے امامِ وقت آغا عبدالسلام ابن آغا اسلام شاہ نے انھیں جماعت سے خارج کر دیا۔ آغا عبدالسلام نے شاید اس خیال سے کہ پیروں کی تعیناتی سے انھیں نئے نئے طریقے شروع کرنے کا موقع ملتا ہے۔ نیا پیر یا نائب نامزد نہ کیا۔ لیکن اپنے ہندوستانی مریدوں کی ہدایت کے لیے پندیاتِ جوانمردی ایک کتاب تصنیف کی، جسے خوجوں میں ایک پیر کا درجہ دیا جاتا ہے۔

امام الدین کی وفات ۱۵۱۲ء میں ہوئی۔

جدید تغیرات

اسمٰعیلی جماعت کے ان بزرگوں کا جنھوں نے خطۂ پاک و ہند میں نزاری عقائد پھیلائے۔ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن ان مقامی باشندوں کے علاوہ جنھوں نے یہ عقائد اختیار کیے۔ موجودہ خوجہ جماعت میں وہ ایرانی نسل کے اسمٰعیلی بھی شامل ہیں جو کسی وجہ سے ایران چھوڑ کر ہندوستان آئے۔ اور صوبہ سندھ یا مغربی ہندوستان میں اقامت پذیر ہوئے۔ ۱۸۴۳ء میں خود آغا خاں اوّل یعنی اُس وقت کے امام حاضر، بادشاہِ ایران سے کشمکش کے بعد ہندوستان میں آ گئے۔ اور جماعت کا مرکز پہلے کلکتہ اور پھر بمبئی میں منتقل ہو گیا۔

اسلامی حکومت کے دوران میں تو نزاری عام مسلمانوں کے ساتھ گھلے ملے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوئے تھے۔ ان کی تجہیز و تکفین اور بیاہ شادی کی رسمیں سُنّی علما ادا کرتے (اگرچہ وہ اپنے دیوانی جھگڑے اپنی پنچایت سے طے کراتے) مغربی پنجاب میں کئی اسمٰعیلی سُنّی پیروں کے مُرید تھے بلکہ پیر صدرالدین کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ سُنّی مسلمان تھے۔ لیکن جب انیسویں صدی کے وسط میں آغا خاں ہندوستان میں آگئے تو جماعت کو زیادہ منظم اور جُداگانہ طریقے پر ترتیب دیا گیا۔ ایک تو وہ لوگ جو خوجوں سے باہر ہیں۔ (مثلاً پنجاب کے شمسی اور گجرات کے ست پنتھی) انھیں بھی آغا خاں کی قیادت میں مُنسلک کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور ہو رہی ہے۔ اور دوسرے آغا خان اوّل نے حکم دیا کہ ان کے پیرو بیاہ شادی تجہیز و تکفین اور وضو طہارت میں اپنی جماعت کے لوگوں کی پیروی کریں۔ بعض لوگوں نے اس حکم کی مخالفت کی۔ بلکہ بمبئی ہائی کورٹ میں اس مسئلے پر ۱۸۶۴ء میں ایک اہم مقدمہ لڑا گیا۔ جس میں ان لوگوں کی طرف سے کہا گیا کہ پیر صدرالدین سُنّی تھے۔ اور شروع سے ان کے پیرو بیاہ شادی وغیرہ میں سُنّی علما کو بُلاتے رہے ہیں۔ آغا خاں اوّل کی طرف سے کہا گیا کہ یہ سب باتیں تقیہ میں داخل تھیں۔ اور پیر صدرالدین کو اسمٰعیلی امام وقت شاہ اسلام شاہ نے اس لیے داعی بنا کر بھیجا تھا کہ وہ لوگوں میں اسمٰعیلی عقائد پھیلائیں۔ عدالت نے آغا خاں اوّل کا یہ دعویٰ قبول کر لیا۔ جس پر بعض خوجے ان سے علٰحدہ اور علانیہ طور پر سُنّی ہوگئے۔

اسی طرح سندھی خوجوں میں اثنا عشری اور اسمٰعیلی رسوم پر اختلاف ہے وہاں بعض خوجے تعزیے نکالتے ہیں، جس کی آغا خاں اوّل نے مخالفت کی۔ اس پر ان کا ایک حصّہ جماعت سے الگ ہوگیا۔ موجودہ زمانے میں ہز ہائی نس آغا خاں کی بعض نوجوانوں نے اس لیے مخالفت کی کہ وہ اپنے پیروؤں سے آمدنی کا دسُ فیصدی کیوں وصول کرتے ہیں۔ لیکن اگرچہ اس اختلاف کی بنا پر کچھ مخلص لوگ جماعت سے علٰحدہ ہوگئے ہیں۔ جماعت پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔

ہندوستانی خوجوں کا صحیح تعداد پردۂ اخفا میں ہے اور ان میں کئی نیم مُسلم

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جماعتیں شامل ہیں۔ لیکن ان کے دو بڑے مرکز ہیں۔ ایک شمالی پنجاب اور چترال اور دُوسرا کچھ، کاٹھیاواڑ اور مغربی ہندوستان میں۔

خوجوں کی تعداد زیادہ نہیں، لیکن جماعت کی تنظیم بہت اچھی طرح ہوئی ہے۔ تجارت میں وہ پارسیوں اور گجراتیوں کے ہم پایہ ہیں۔ اور بوہروں کے مقابلے میں جنھوں نے اعلیٰ مغربی تعلیم سے بالعموم بے اعتنائی برتی ہے، انھوں نے بالعموم مغربی تعلیم اچھی طرح حاصل کی ہے۔ وضع قطع میں بھی وہ بوہروں اور عام مسلمانوں کی بہ نسبت مغرب کی زیادہ تقلید کرتے ہیں۔ عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ ان کے کئی خاندان ایرانی النسل ہیں۔ اور تعداد کے تناسب سے اس جماعت کا اثر بہت زیادہ ہے۔

بوہرے ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے وقت ہند و پاکستان کے علاقوں میں بوہرہ جماعت ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ تھی۔ بوہروں کی روایت ہے کہ ان کے مذہب کی اشاعت پہلے پہل عبداللہ یمنی اور سیدی احمد نے کی جو مصر کے خلیفہ مستنصر کے ایما پر ۱۰۶۷ء میں کھنبائت آئے۔ اور جنھوں نے گجرات کے راجپوت راجا سدھ راج جے سنگھ اور اس کے وزیر کو مسلمان کیا۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ بوہروں کے پہلے مبلغ مُلّا علی (پیر پردہ دار یا پیر پردہ دار) تھے۔ جنھوں نے ۱۱۳۷ء میں وفات پائی۔ اور جن کا مزار کھنبائت میں بڑا متقدس سمجھا جاتا ہے۔

سرکاری رپورٹوں کے مطابق تمام بوہرے ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں۔ لیکن بوہروں کو یمن سے خاص تعلق رہا ہے۔ کئی بوہرے وضع قطع اور خصائص و خصائل سے عربی النسل معلوم ہوتے ہیں۔ اور عجب نہیں کہ ان میں سے ہندو نو مسلموں کے علاوہ بہت سے ان یمنی تاجروں کی اولاد ہوں جنھوں نے تجارت کے ساتھ ساتھ تبلیغ مذہب کی۔ اور بعض کے آبا و اجداد سولھویں صدی میں یمن میں سلطان روم کی حکومت قائم ہونے کے بعد ہندوستان میں آگئے ہوں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سولھویں صدی کے آخر سے بوہروں کی دو جماعتیں ہو گئی ہیں۔ سلیمانی اور داؤدی۔ ان کا اختلاف بھی زیادہ تر شخصی ہے۔ داؤدی بوہرے' داؤد بن قطب شاہ اور سلیمانی' سلیمان ابن یوسف کی جانشینی کے قائل ہیں۔ داؤدی جماعت کے داعیٔ مطلق سورت کے ملاجی صاحب ہیں۔ اور سلیمانیوں کے مرشد یمن میں ہیں۔ جہاں سے اکثر اسمٰعیلی مبلغ ہندوستان میں آتے رہے۔ لیکن ہندوستان میں سلیمانیوں کی تعداد داؤدیوں سے کم ہے۔

بوہرہ مبلغوں کی پُرامن تبلیغی کوششیں صدیوں تک جاری رہیں۔ اور تاجر اقوام کے کئی لوگوں[1] نے ان کے عقائد اختیار کر لیے۔ یہ لوگ کئی باتوں میں ہندوانہ طریقوں پر عامل ہیں۔ وراثت کے معاملے میں شرع کے پابند نہیں۔ سُود علانیہ لیتے اور دیتے ہیں۔ دیوالی کے موقعے پر ہندوؤں کی طرح اپنے حساب کی کتابیں بدلتے ہیں۔ اس کے باوجود کئی باتوں میں وہ عام مسلمانوں سے زیادہ پابندِ شرع ہیں۔ ان کا لباس عام لوگوں سے جُدا ہوتا ہے۔ اکثر راسخ العقیدہ بوہرے ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ ہندوؤں کے ہاتھ کی مٹھائی نہیں کھاتے۔ نہ ہندو دھوبیوں سے کپڑے دُھلاتے ہیں۔ اور اگر دُھلاتے ہیں تو انھیں پھر پاک کر لیتے ہیں۔ عموماً نماز روزے کی پابندی کرتے ہیں۔ مسکرات بلکہ تمباکو سے مجتنب رہتے ہیں۔ زکوٰۃ باقاعدہ دیتے ہیں۔

کئی بوہرے شاہانِ احمد آباد کے زمانے میں سُنّی ہو گئے تھے۔ وہ اکثر زراعت پیشہ ہیں۔ شیعہ بوہرے زیادہ تر تجارت کرتے ہیں۔ ان میں داؤدی

---

[1] لفظ بوہرہ کو گجرات کی تاریخ راس مالا میں لفظ بیوہار (بمعنی بیوپار) سے مشتق کہا گیا ہے۔ لیکن سید ابو ظفر ندوی نے ایک انگریزی مضمون (مندرجہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۵ء) میں کئی اور معانی دیے ہیں۔ مشہور عربی لغت قاموس میں یمن اور مدینے کے ایک قبیلے کو بھی بہرا کہا گیا ہے۔ اور بوہروں کے اکثر خاندان عربی النسل ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بوہروں کی تعداد زیادہ ہے اور ان کا ایک خاص نظام ہے۔ جماعت کے سرگروہ جنھیں داعی مطلق کہتے ہیں، سُورت کے مُلاجی صاحب ہیں۔ انھیں جماعت کے متعلق کل اختیارات حاصل ہیں۔ یہ لوگ عام مسلمانوں کی مسجدوں میں نماز نہیں پڑھتے۔ ان کے عبادت خانے علٰحدہ ہوتے ہیں۔ قبرستان بھی جُدا ہیں۔ عیدین اور دوسرے تہوار بھی عام مسلمانوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ جمع صلوٰۃ کے قائل ہیں اور عام طور پر فقط تین وقت نماز پڑھتے ہیں یعنی صبح، ظہر اور شام کے وقت۔ اور جُمعہ کی نماز باجماعت نہیں پڑھتے۔ وہ عموماً گجراتی زبان بولتے ہیں۔ موجودہ "ملاجی صاحب" عربی کے فاضل ہیں۔ حج کر چکے ہیں۔ اور خیرات کثرت سے دیتے ہیں۔ لیکن وہ بھی اپنی جماعت کا جُدا نظام قائم رکھنے کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ اگر (ضلع سُورت وغیرہ میں) کسی بوہرے سے پوچھا جائے کہ تمھارا مذہب کیا ہے تو عموماً یہ نہیں کہے گا کہ مسلمان ہوں بلکہ کہے گا کہ بوہرہ ہوں۔[1]

خواجہ حسن نظامی نے اپنی کتاب فاطمی دعوات اسلام میں بوہروں سے درد شکائتیں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ "مستعلیوں نے عرصہ دراز سے اشاعتِ اسلام کا کام بالکل ترک کر دیا ہے۔ اور متقدمین و اعیانِ اسلام نے جس قدر ہندوؤں کو مسلمان بنا کر بوہرہ جماعت تیار کی تھی۔ ان میں اب کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔" اور دوسرے "موجودہ داعی صاحب تعلیم گاہیں جبراً بند کرتے جاتے ہیں۔ اور بوہرہ قوم کو جاہل رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اسلامی احکام کے بموجب بوہروں کو دینی و دُنیاوی امور میں آزادانہ ترقی سے روکتے ہیں۔" خواجہ حسن نظامی کے اعتراضات بہت کڑے ہیں۔ اور شاید یہ کہنا صحیح ہے کہ آج کل بوہرہ جماعت کی ترقی رُکی ہوئی ہے۔ لیکن اتنا تو خواجہ حسن نظامی کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے کہ "بوہرہ جماعت نماز، روزے، حج زکوٰۃ وغیرہ ارکانِ اسلام کی پابندی میں تمام مسلمان

---

[1] (۱۹۲۹ء میں لکھا گیا)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرقوں سے زیادہ مستعد نظر آتی ہے۔ ان کی صورت، ان کا لباس، ان کی بود و باش سب سچے اور پاک مسلمانوں کی طرح ہے۔"

دکن میں اشاعتِ اسلام

دکن کے ساحلی مقامات پر عرب تاجر اور مبلغ ظہورِ اسلام سے فوراً بعد ہی پہنچ گئے تھے۔ اور ہم بابِ اوّل میں گجرات مالابار اور معبر کی ان بستیوں کا ذکر کر چکے ہیں، جن میں عربوں نے اثر و اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ بحری تجارت بڑی حد تک ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور ان کی کوششوں کا میدان بیشتر ساحلی بندرگاہوں تک محدود تھا۔ لیکن قرینِ قیاس ہے کہ ان میں سے بعض اندرونِ ملک میں جاتے اور اپنے ساتھ مذہبِ حقہ کی روشنی لاتے ہوں گے۔ افسوس ہے کہ مورخین بلکہ سیاحوں کا قلم بھی ان کوششوں کے ذکر سے خاموش ہے۔ اور فقط آثارِ قدیمہ یا مقامی روایات کی بنا پر ان کوششوں کا تھوڑا بہت اندازہ ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر تارا چند نے اپنی ایک کتاب میں کولم (جنوبی ہند) کے ایک قدیمی "میت خانہ"[1] کا ذکر کیا ہے، جس میں بعض پرانی قبروں کے کتبے برقرار ہیں۔ ان میں سے ایک کتبہ ۱۷۰ھ کا ہے، جو اگر صحیح ہے تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑے سے بہت مسلمان اس زمانے میں بھی دکن کے اندرونی شہروں میں موجود تھے۔ اس طرح کے آثار اور بھی کئی جگہ ہوں گے، جنھیں حوادث کی دست بُرد نے صفحۂ زمانہ سے محو کر دیا یا جو اب گوشۂ تاریکی میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور اس وقت تک چھپے رہیں گے، جب تک مقامی تعلیم یافتہ مسلمان اپنی قدیم

---

[1] اس قبرستان کی ایک قبر کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت ابو تمیم انصاری رضی اللہ عنہ کی ہے، جو رسولِ اکرم کے صحابی تھے۔ لیکن روایت بہت مستبعد ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تاریخ میں دلچسپی لے کر ان کے حالات سے پردہ نہ اُٹھائیں گے۔

طبلِ عالم سیّد نطہر ولیؒ اور ان کے خلفاے کبار

جنوبی ہند (بعید)[1] جو بزرگ سب سے پہلے ہندوستان کے بالکل جنوبی علاقے میں آئے اور اندرونِ مُلک میں ارشاد و ہدایت کا مرکز بن گئے۔

ان میں سے ترچناپلی کے سیّد سلطان نطہر ولی جو ۱۲۲۵ء[2] میں یعنی حضرت خواجہ اجمیریؒ کی رحلت سے گیارہ سال پہلے وفات پا گئے، خاص طور پر مشہور ہیں۔ آپ کے جدِ امجد ممالک روم کے امراد حکام میں سے تھے، لیکن آپ کے دل میں محبتِ الٰہی کا جوش موجزن ہُوا اور آپ نے فیصلہ کیا کہ اپنی تمام عمر یادِ الٰہی اور اشاعتِ اسلام میں صرف کروں گا۔ پہلے آپ نے ایران کے شہر ہُرمز میں سیّد علی بادشاہ جو لق خلیفہ بابا ابراہیم کی بیعت کی اور ایک مدت تک مُرشد کی خدمت کے بعد اپنے رُفقا اور مریدین کے ہمراہ جن کی تعداد نو سو بتائی جاتی ہے۔ سعادتِ حج سے شرفیاب ہوئے اسی دوران میں آپ کو اشارہ ہُوا کہ آپ دکن جا کر اسلام کو وہاں جاری کرو۔ چنانچہ آپ مریدین کے ہمراہ ملکھاٹ میں تشریف لائے۔ اور وہاں اشاعتِ اسلام شروع کی۔ اس وقت یہاں کا حاکم دساسرا دیو نامی ایک ہندو تھا۔ مذہبی سرگرمیوں کی وجہ سے تو آپ کی اس کے ساتھ کوئی چپقلش نہ ہوئی، لیکن وہ ایک بڑھیا کے بیٹے کو کسی بات پر قتل کرنا چاہتا تھا۔ بڑھیا فریاد کرتی ہوئی آپ کے پاس آئی۔ آپ نے اس کے بیٹے کو پناہ دی۔ اس پر راجا کی آپ کے ساتھ جنگ ہوئی۔ اور تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ آپ اور آپ کے رفیق غالب آئے۔ اس کے

---

[1] یہ حالات زیادہ تر سرکاری گزٹیرز۔ تذکرۂ اولیاے دکن۔ آرنلڈ کی کتاب اور متفرق رسائل و مضامین سے ماخوذ ہیں [2] ترچناپلی میں آپ کو نطہر ولی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن بعض تذکروں میں آپ کا نام منظہر ولی یا خواجہ منظہرالدین لکھا ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعد ترچناپلی تشریف لے گئے۔ اور وہیں ۶۲۲ھ یعنی ۱۲۲۵ء میں وفات پائی۔
سرکاری گزیٹیر میں لکھا ہے کہ اضلاع مدورا اور ترچناپلی کے کئی مسلمان جنھیں
(Ravattans[1]) کہتے ہیں۔ آپ کی بدولت مسلمان ہوئے۔ آپ کا مزار
ترچناپلی کی ایک مشہور زیارت گاہ ہے اور زائرین میں ہندو مسلم دونوں قوموں کے
لوگ ہوتے ہیں۔ بلکہ ہندو زائرین کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔
ایک زمانے میں مسلمانوں نے آپ کے نام پر ترچناپلی کا نام نطہر نگر رکھ دیا تھا۔
آپ کے مزار کے لیے ایک ہندو رانی مینا کشی اور ارکاٹ کے نواب محمد علی نے
جاگیریں وقف کیں۔ آپ کے مزار کے احاطے میں نواب محمد علی اور اس کا مخالف
چندا صاحب دفن ہیں۔ آپ کے مزار کا گنبد چندا صاحب نے تعمیر کرایا تھا۔

آپ کے جانشین سید ابراہیم شہید تھے۔ وہ ۱۱۶۲ء کے قریب مدینہ منورہ
میں پیدا ہوئے اور پھر ہندوستان تشریف لائے۔ یہاں آپ کی پانڈیا حکمرانوں کے
ساتھ جنگ ہوئی۔ پہلے آپ کو کامیابی ہوئی اور آپ بارہ سال برسر اقتدار رہے۔
لیکن بالآخر مقامی راجا غالب آیا۔ اور آپ میدانِ جنگ میں شہید ہوئے۔

سید نطہر ولی کے ایک اور مرید بابا فخر الدین (قادری) ثم سہروردی تھے۔
آپ کے والد علاقہ سیستان میں حکمران تھے۔ لیکن آپ نے ترکِ دنیا کر کے سیر و سیاحت
اختیار کی۔ آپ کو عالمِ رویا میں اشارہ ہوا کہ آپ کے مرشد بابا نطہر ولی طبل عالم ترچناپلی
میں ہیں۔ وہاں جا کر ان سے بیعت کرو۔ چنانچہ آپ نے اس طرف کا رُخ کیا۔ راستے
میں آپ کی بابا فرید گنج شکر سے ملاقات ہوئی۔ اور ان کے نام پر آپ کے بھتیجے کا
نام (آپ کی اپنی اولاد کوئی نہ تھی) شاہ فرید رکھا گیا۔ حضرت سید نطہر ولی نے
کشفِ باطنی سے آپ کی تشریف آوری کا پتا کر کے اپنی صاحبزادی کو سو قلندروں کے
ساتھ پیشوائی کے لیے بھیجا۔ بالآخر آپ حضرت سید نطہر کے مرید ہوئے اور ایک

---

[1] (ملاحظہ ہو آرنلڈ کی پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۶۷) شاید راوتھر ہوگا۔ یعنی گھوڑے سوار۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عالم کو فیض یاب کرنے کے بعد ضلع اننت پور (مدراس) شہر سنوکوڑا میں ۱۲۹۴ھ میں وفات پائی۔ سرکاری گزیٹیر میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک مندر کے ہندو پجاری پر فتح پائی اور دود یکالا (نداف) قوم کے لوگ کہتے ہیں کہ وہ آپ کی بدولت مسلمان ہوئے تھے۔ آپ کا مزار سلطان ٹیپو نے تعمیر کرایا۔ اور اس کے خرچ کے لیے بارہ ہزار سالانہ کی جاگیر مقرر ہوئی۔ اب بھی وہ جاگیر بحال ہے۔ اگرچہ آمدنی کسی قدر کم ہو گئی ہے۔

جنوبی ہند (بعید) کے ایک اور بزرگ جو سید نطہر ولی کے بہت بعد پیدا ہوئے، لیکن ان کے معتقدین میں سے شمار ہو سکتے ہیں۔ (ناگور) ضلع تنجور علاقہ مدراس کے حضرت سید عبدالقادر ولی ناگوری تھے، جو شمالی ہند کے شہر مانک پور میں پیدا ہوئے اور حج کے بعد مالدیپ، لنکا کے راستے جنوبی ہند میں آئے۔ ترچناپلی میں حضرت طبل عالم سید نطہر ولی کے مزار کی زیارت کی۔ اور علاقہ تنجور میں ارشاد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ ترام میں ایک مسجد تعمیر کی اور پھر ناگور میں، جو ایک بڑی تجارتی منڈی ہے، مقیم ہو گئے۔ آپ کے آنے سے اسلام کو بڑی رونق ہوئی۔ اور قریب کے گاؤں دھناسری میں بھی آپ نے حاکم اور رعایا کو مسلمان کیا۔ اب ناگور جنوبی ہند میں ایک اہم اسلامی بستی ہے، جو گزیٹیر کی ترتیب کے وقت نیگاپٹن کی حدود میں شامل تھی اور مسلمان نیگاپٹن کی کل آبادی کا ایک چوتھائی تھے۔ حضرت قادر ولی کا انتقال ۱۵۷۰ء میں ہوا۔ تنجور کا راجا آپ کے معتقدین میں سے تھا۔ چنانچہ اس نے مزار کے مینار تعمیر کرائے۔ آپ کے مزار پر ہندو مرد اور عورتیں کثرت سے آتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔

اسی علاقے کے ایک نامور بزرگ مکلم کوٹا کے حضرت خواجہ علاء الدین بن خواجہ شمس الدین الحسینی الچشتی البلخی تھے، جو ۱۵۵۵ء میں فوت ہوئے۔ تنجور کا راجا ان کا بھی معتقد تھا۔ اور اس نے مزار کا گنبد اور اس کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جنوبی ہند (بعید) سے سطح مرتفع دکن کا رخ کریں تو ریاست میسور میں ایک قابل ذکر ہستی حضرت حیات قلندر عرف بابا بدھن کا مزار ملتا ہے۔ انھوں نے میسور میں سب سے پہلے قہوے کی کاشت کی۔[1] جس کے بیج وہ بیرونِ ملک سے سفر کے دوران میں لائے تھے، جن پہاڑیوں میں آپ کا مزار ہے۔ انھیں آپ کے نام پر بابا بدھن کی پہاڑیاں کہتے ہیں۔

علاقہ دکن کے دوسرے قدیمی بزرگ

بندھیاچل سے جنوب کے علاقے کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک جنوبی ہند (بعید) یعنی وہ علاقہ جو ریاست حیدر آباد کے جنوب میں واقع ہے۔ اور جہاں مسلمانوں کی حکومت دیر تک یا مستحکم حالت میں کبھی بھی نہیں رہی۔ اور جہاں کے بزرگوں کے متعلق شمالی ہندوستان میں بالکل لاعلمی ہے۔ اس علاقے کے مشہور بزرگوں کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ دوسرا حصہ اس علاقے کے شمال اور بندھیاچل کے جنوب میں دکن کا علاقہ ہے جہاں مختلف مسلمان خاندان حکمران رہے۔ اس علاقے میں کئی بزرگ شمال سے یا ساحلی بندرگاہوں کے راستے اندرونِ ملک میں آئے۔ اور اشاعتِ اسلام میں مشغول ہوئے۔ ان میں بیجاپور کے بزرگ پیر معبری کھندائت خاص طور پر یاد کیے مستحق ہیں۔ آپ عرب تھے۔ اور چونکہ معبر (یعنی علاقہ کارومنڈل) سے تشریف لائے تھے۔ اس لیے پیر معبری کہلاتے تھے۔ آپ ۱۳۰۴ء میں دکن پہنچے۔ اور بیجاپور میں اشاعت اسلام شروع کی۔ بیجاپور کے کاشتکاروں میں آج بھی کئی مسلمان ایسے ہیں جن کا بیان ہے کہ ہمارے آبا جین تھے اور پیر معبری کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ (آرنلڈ)

اس زمانے میں شمالی ہند میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ دکن پر پہلی مرتبہ فوج کشی علاء الدین خلجی نے ۱۲۹۴ء میں کی۔ لیکن مشائخ و بزرگ اس سے

---

[1] Islam in India by Herklots (2nd Ed.) P.140

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پہلے ہی ہندوشہروں میں جانکلتے تھے۔ اور کئی جگہ ان کی مخالفت ہوتی تھی۔ ان بزرگوں میں سے ایک کا نام حاجی رومی بیجاپوری تھا، جو رومی الاصل تھے۔ اور بیجاپور میں اس زمانے میں وارد ہوئے، جب یہاں ہندو حکومت تھی۔ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ آپ کی تاریخ وفات آفتاب اولیا سے نکلتی ہے جس کے مطابق آپ نے ۵۳۲ھ میں رحلت کی ہو گی لیکن چونکہ دوسرے تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق آپ اور شیخ صلاح الدین المتوفی ۵۹۰ھ کے درمیان مراسم دوستانہ تھے۔ اس لیے ممکن ہے کہ آپ کا زمانہ بہت بعد کا ہو۔

شیخ صوفی سرمست اسد الاولیا قدس سرہ بھی اسی زمانے میں عرب سے دکن آئے اور مقام سگر شاہ پور علاقہ حیدرآباد میں فروکش ہوئے۔ وہاں کے راجے نے حکم دیا کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو کھانے پینے کی چیزیں کوئی نہ دے۔ اس پر آپ کو اس سے جنگ کرنی پڑی۔ بالآخر راجا مغلوب ہوا اور آپ کے صاحبزادہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کے بعد اہل شہر نے صلح کر لی اور آپ امن و امان سے ان کے درمیان رہنے لگے۔ آخر ۱۶ ماہ صفر ۶۸۰ھ کو آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اور سگر شاہ پور میں دفن ہوئے۔ آپ کے ایک مرید شیخ شہید تھے، جنھیں آپ نے چار ساتھیوں کے ساتھ تلی کوٹ علاقہ بیجاپور میں (جہاں چند صدیاں بعد وجے نگر کی فوج کو شکست فاش ہوئی تھی) اشاعت اسلام کے لیے بھیجا۔ لیکن ہندوؤں نے ان بزرگوں کی مخالفت کی۔ اور لڑائی کی نوبت پہنچی جس میں پانچوں بزرگ شہید ہوئے۔ یہ واقعہ ۶۷۱ھ کا ہے۔

دکن کے ایک اور قدیم بزرگ بابا شرف الدین عراقی قدس سرہ تھے، جو عراق عرب سے شمالی ہندوستان اور وہاں سے دکن تشریف لائے۔ یہاں آکر آپ نے ایک پہاڑی پر، جو موجودہ شہر حیدرآباد سے چار میل مغرب کی جانب ہے، قیام کیا اور عبادت الٰہی میں مشغول اور مریدین کی ہدایت و تلقین میں مصروف ہوئے۔ آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید و خلیفہ بتائے جاتے ہیں۔ جب آپ دکن

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یں تشریف لائے تو اہلِ دکن میں مسلمانوں سے خاص تعصب و عناد تھا۔ مہاراشٹر اور دکن کے ہندو شمالی ہند اور ساحلی لوگوں کی نسبت زیادہ متعصب تھے۔ اور بقول شیخ قطب الدین (منقول در تذکرہ اولیائے دکن) مسلمانوں کی صورت دیکھنا مکروہ سمجھتے تھے بلکہ اگر کوئی مسلمان مسافر وارد ہوتا تو اس کے ہاتھ کھانے پینے کا سامان بھی فروخت نہ کرتے۔ لیکن باباصاحب کے حسنِ سلوک اور روحانیت سے یہ لوگ بھی متاثر ہوئے اور آپ کا بڑا ادب کرنے لگے۔ آپ کی وفات ۶۸۷ھ میں ہوئی۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی بابا شہاب الدین بھی تشریف لائے۔ وہ بھی ایک صاحبِ سطوت بزرگ گزرے ہیں اور ان کا باقاعدہ عرس ہوتا ہے۔ ان کی رحلت آپ کی وفات سے چار سال بعد ہوئی۔

شیخ منتخب الدین رح دکن کے جن بزرگوں کا ہم ذکر کر چکے ہیں وہ شمالی ہندوستان کے کسی مشہور سلسلے سے منسلک نہ تھے۔ رائج الوقت سلسلوں کے پہلے بزرگ جنھوں نے شمال اور جنوب کے درمیان ربط قائم کیا۔ شیخ منتخب الدین زرزری زربخش چشتی قدس سرہٗ تھے۔ وہ ہانسی کے رہنے والے اور شیخ جمال الدین ہانسوی کے خواہر زادہ تھے۔ شیخ کبیر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے مرید تھے۔ باباصاحب نے ایک غیبی اشارہ کے ماتحت انھیں دیوگیر (دولت آباد) کی طرف اس وقت بھیجا جب یہاں ہنود کا غلبہ تھا۔ ابتدا میں ان کی بڑی مخالفت ہوئی۔ لیکن وہ ہمت اور استقلال سے اپنے کام میں مشغول رہے۔ اور بالآخر ہیں ۷۰۹ھ میں وفات پا گئے۔ بقول خزینۃ الاصفیا۔ معارج الولایت کا بیان ہے کہ آپ کی وفات ۶۹۵ھ میں ہوئی۔ اور اس کتاب میں مصنف نے ذیل کے ابیات آپ کی مدح میں لکھے ہیں ؎

منتخب شیخ زرزری زربخش ۔۔۔ گر شفیق کلاں بود بشمار
از مریدانِ خواجہ گنج شکر ۔۔۔ کرد اوّل بہ دیوگیر قرار
خلعتِ زر ز غیب مے آمد ۔۔۔ در صباح و رواح دلیل و نہار

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شُد ازاں نام زرزری زربخش — ے نمودش براہ خیر شار
رخت زیں تنگنائے چوں بربست — بخر امید سُوے دار قرار
خواجہ بُرہاں سُوے دکن آمد — زندہ زو گشت سُنّت و آثار

"پالکی" کی آمد مشہور ہے کہ جب شیخ منتخب الدین وفات پاگئے تو حضرت سلطان المشائخ نے ان کے بھائی اور اپنے خلیفہ شیخ برہان الدین غریبؒ کو ان کی جگہ دولت آباد بھیجا۔ لیکن یہ مشہور روایت غلط معلوم ہوتی ہے۔ کیوں کہ تذکروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخؒ نے اپنی وفات کے وقت شیخ برہان الدینؒ کو "دستارِ خاص اور پیراہن اور مصلےٰ اور شالِ خلافت" دے کر دکن کی طرف رخصت کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ سلطان المشائخ کے وصال کے وقت جو ۷۲۵ھ میں ہُوا، شیخ برہان الدین دہلی میں تھے۔ ہاں اتنا صحیح ہے کہ شیخ منتخب الدین کی وفات کے کچھ عرصہ بعد شیخ برہان الدین بھی دیوگیر (دولت آباد) تشریف لائے۔ اور اب دونوں بھائیوں کے مزار خلد آباد کی مشہور زیارت گاہ میں ہیں، جہاں ان کے علاوہ اورنگ زیب عالمگیرؒ، نظام الملک آصف جاہ، امیر حسن دہلوی، میر غلام علی آزاد بلگرامی کے مزارات ہیں۔ شیخ بُرہان الدین کو دکن میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ بُرہان پور کا مشہور شہر ایک عقیدت مند بادشاہ نے ان ہی کے نام کی رعایت سے آباد کیا تھا۔ آپ کی وفات ۷۳۶ھ میں ہوئی۔ سفینۃ الاولیا میں آپ کی تبلیغی کوششوں کے متعلق لکھا ہے:۔

"از مریدانِ سلطان المشائخ اند۔ و حضرت شیخ ایشاں را بہ طرفِ برہان پور و دولت آباد بجہت رواجِ اسلام و ارشاد ساکنانِ آنحدود فرستاند و شیخ حسن دہلی را با بعضے از مریدانِ خود با ایشاں ہمراہ کردند و از برکتِ قدومِ ایشاں اکثرے ازاں جماعہ بشرفِ اسلام مشرف گشتہ، و مرید و معتقد گشتند۔"

دکن کے مذہبی حلقوں میں شمالی ہندوستان سے "پالکی" آنے کا ذکر اکثر کیا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک زمانے میں یہاں دہلی سے سات سو یا بقول بعض

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چودہ سو بزرگان دین تشریف لائے تھے۔ جن میں سے بعض پالکی نشین تھے۔ تذکرۂ اولیائے دکن میں شیخ برہان الدین کے حالات میں لکھا ہے کہ سیر الاولیا اور روضۃ الاولیا کے مؤلف نے مورخین متاخرین سے نقل کیا ہے کہ سلطان المشائخؒ نے شیخ برہان الدین صاحب ترجمہ کو مع سات سو مریدین جن میں بعض پالکی نشین تھے، اہلِ دکن کی ہدایت کے لیے روانہ کیا۔ اور بعض لکھتے ہیں کہ سلطان المشائخؒ نے اوّل شاہ منتخب الدین برادر صاحب ترجمہ کو مع سات سو مرید خلائق دکن کی راہنمائی کے لیے بھیجا۔ قولِ ثانی صحیح ہے۔ تذکرہ اولیائے دکن نے اپنی رائے کی تائید میں کوئی دلیل نہیں دی۔ ہمارا اپنا خیال ہے کہ نظامی سلسلے کے بزرگوں کی ایک کثیر جماعت اس زمانے میں شمالی ہند سے دکن آئی۔ لیکن وہ شاہ منتخب الدین کے ساتھ نہ تھے۔ بلکہ بعد میں آئے۔ اور شاید سلطان المشائخؒ کی وفات کے بعد بھی آئے ہوں۔ دکن کے مختلف شہروں میں کئی ایسے بزرگوں کے مزار موجود ہیں۔ جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ پالکی کے ساتھ آئے تھے۔ اور چونکہ ان کی وفات قریباً ایک زمانے میں ہوئی۔ اس لیے یہ خیال چنداں مستبعد معلوم نہیں ہوتا۔ ان میں سے ایک شاہ بدر الدین چشتیؒ ہیں، جو ۷۴۱ھ میں قلعہ پرینڈہ (علاقہ کوکن) کے قریب شہید ہوئے۔ دوسرے بزرگ شاہ خرم قتالؒ تھے جنھیں خاندیش کا علاقہ سپرد تھا۔ اور جنھوں نے ۷۴۳ھ کے قریب ارنڈول (علاقہ خاندیش) میں وفات پائی۔ تیسرے بزرگ شاہ والیؒ (المشہور بہ شاہ واری) تھے۔ جو شاہ خرم کے رفقا میں سے تھے۔ اور قصبہ کوٹھل ضلع خاندیش (صوبہ بمبئی) میں دفن ہیں۔ آپ کی وفات ۷۴۵ھ میں ہوئی۔ چوتھے بزرگ پونا کے شیخ صلاح الدین المعروف بہ شیخ صلان چشتیؒ تھے۔ جنھوں نے ۷۵۹ھ میں وفات پائی۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی بزرگ ہیں، جو اسی زمانے میں شمالی ہند سے دکن تشریف لائے۔ چونکہ ان کی اور شاہ منتخب الدین کی تاریخ وفات میں چالیس پچاس برس کا فرق

لہ ملاحظہ ہو تذکرۂ اولیائے دکن۔ جلد اوّل و دوم میں ان بزرگوں کے حالات۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے اس لیے انھیں شاہ صاحب کا معاصر یا رفیق قرار دینا مشکل ہے۔

بہت ممکن ہے کہ اس جماعت کا دکن آنے اور مختلف شہروں میں بس جانے کا کسی حد تک سلطان محمد تغلق کی پالیسی سے تعلق ہو، جو حضرات صوفیہ کے اثر و اقتدار اور ان کی جماعت بندی کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ اور انھیں دہلی سے منتشر کرنا چاہتا تھا۔ اور عجب نہیں کہ ان میں بہت سے اس زمانے میں جنوب میں آئے ہوں، جب محمد بن تغلق نے دہلی چھوڑ کر دولت آباد کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔

بزرگانِ بیجاپور ہم بیجاپور کے حضرت حاجی رومی بیجاپوری اور پیر معبری کھندائت کا ذکر کر چکے ہیں، لیکن یہ شہر شروع سے ہی مشائخ اسلام کا مرکز رہا ہے۔ ان دو بزرگوں کے علاوہ پیر جمنا بیجاپوری کا نام لیا جاتا ہے، جو دکنی الاصل تھے اور بیجاپور اس زمانے میں آئے جب یہاں ہنود کی حکومت تھی۔ آپ سماع کے قائل تھے۔ اور مجلس سماع منعقد فرماتے تھے۔ آپ کی وفات ۷۰۳ھ میں ہوئی۔ ان کے علاوہ سید علی شہید کا نام لائق ذکر ہے۔ جن کی تاریخ شہادت کا اندازہ تذکرہ اولیاے دکن کے مصنف نے ۸۰۵ھ کیا ہے۔ آپ کا یہاں کے اہلِ اصنام سے معرکہ ہوا۔ اور اس میں آپ شہید ہوئے۔

دنیاے علم و فضل میں بیجاپور کے جس بزرگ نے سب سے بڑھ کر نام پایا، شیخ عین الدین گنج العلوم بیجاپوری تھے۔ آپ ۷۰۶ھ میں دہلی کے قریب قصبہ نوجو میں پیدا ہوئے۔ پہلے دہلی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پھر گجرات میں پھرتے پھراتے دولت آباد آئے اور یہاں اخذِ علوم کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۷۳۰ھ میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر عین آباد تشریف لے گئے۔ اور وہاں تصنیف و تالیف اور ارشاد و ہدایت میں کئی سال صرف کیے۔ ۷۴۳ھ میں آپ بیجاپور آئے اور طلبہ کو مستفید کرنا شروع کیا۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو تیس بتائی جاتی ہے۔ جن میں سے طور الابرار، ملحقات طبقات ناصری اور رسالہ الانساب خاص طور پر مشہور ہیں۔ اپنے زمانے میں آپ کو بڑا اقتدار حاصل تھا۔ بادشاہِ دکن سلطان

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علاءالدین حسن گنگوہی بہمنی کے دربار میں آپ کو بیٹھنے کی اجازت تھی۔ حالاں کہ امراء ارکانِ دولت کو بھی یہ رعایت میسر نہ تھی۔ جب آپ دربار میں جاتے تو بہمنی مسند سے اُٹھ کر چند قدم استقبال کے لیے آتا۔ آپ کی وفات ۷۹۵ھ میں ہوئی۔ وفات سے چند سال بعد بہمنیہ سلطنت کے مشہور وزیر خواجہ محمودؒ گاوان نے مزار پر گنبد بنوا دیا۔ جو اب تک موجود ہے۔

گلبرگہ شریف

بیجاپور میں بڑے بڑے صاحب علم اور صاحب ذوق بزرگ پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن اسلامی حکومت کے زمانے میں یہاں فنِ تعمیر کو جو فروغ ہوا، اس نے اس شہر کی دوسری خوبیوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اب لوگ یہاں عالیشان عمارتیں دیکھنے جاتے ہیں۔ مذہبی آثارِ باقیہ کی طرف بہت کم توجہ ہوتی ہے۔ مذہبی تقدس میں جس شہر نے عوام میں خاص شہرت حاصل کی ہے، گلبرگہ شریف ہے۔ بزرگانِ دین کی اس شہر کی طرف شروع ہی سے توجہ تھی۔ اور یہاں ایک قدیمی مزار سید حسام الدین تیغ برہنہ کا ہے۔ جن کا سالِ وفات ۶۸۰ھ ہے۔ مشہور ہے کہ آپ کے ہاتھ میں تیغ برہنہ رہتی تھی۔ اس لیے آپ تیغ برہنہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے علاوہ شیخ سراج الدین جنیدیؒ جن کا سلطان علاءالدین حسن گنگوہی بڑا معتقد تھا۔ دیر تک گلبرگہ قیام فرما رہے۔ آپ نے ۷۸۱ھ میں رحلت فرمائی۔

حضرت سید بندہ نواز گیسو درازؒ

اب گلبرگہ کی شہرت زیادہ تر حضرت سید محمدؒ الحسینی الملقب بہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ کی بدولت ہے، جو ۱۴۲۲ء میں یہاں دفن ہوئے۔ آپ ۱۳۲۱ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ اور چار پانچ سال بعد اپنے والد مخدوم سید محمد یوسف المعروف شاہ راجو قتال کے ساتھ جن کا مزار دولت آباد کے قریب خلد آباد میں

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ سلطان محمد تغلق کے حکم کے مطابق دہلی سے دولت آباد تشریف لائے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے والد ماجد سے حاصل کی۔ دس سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ اپنے ماموں ملک الامرا سید ابراہیم کے پاس رہے۔ لیکن پھر کسی بات پر آپ کی والدہ اور ماموں میں رنجش پیدا ہو گئی اور آپ پندرہ برس کے تھے۔ جب آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو دہلی لے گئیں۔ یہاں آپ نے مشہور اساتذہ سے کسبِ علم کیا۔ علومِ ظاہری کی تکمیل آپ نے قاضی عبدالمقتدر تھانیسری جیسے فاضل سے کی۔ اور نہایت چھوٹی عمر میں حضرت چراغ دہلیؒ کی خدمت میں تعلیمِ باطنی کے لیے حاضر ہوئے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے بڑی ریاضت و مشقت کی اور صاحبِ نظر مرشد نے آپ کو بڑی محبت سے تعلیم دی۔ سیر محمدی میں لکھا ہے کہ جب آپ مرشد کی خدمت میں اپنے واقعات بیان کرتے تھے۔ حضرت چراغ دہلیؒ فرماتے کہ مجھے ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر سے شائق بنا دیا ہے اور واقعات سابق کو یاد دلایا ہے۔

حضرت چراغ دہلی قدس سرہ نے ۷۵۷ھ میں وفات پائی۔ اس سے تین روز پہلے حضرت گیسو دراز کو خلافت عطا کی۔[1] آپ اس کے بعد دیر تک دہلی رہے۔ اور ۸۰۱ھ میں اسی برس کی عمر میں حادثہ امیر تیمور کی بنا پر دہلی سے دکن کی طرف روانہ ہوئے اور گوالیار، بھاندیر، ایرچہ، چندیری، بڑودہ، کھنبائت ہوتے ہوئے اور گجرات میں کچھ عرصہ قیام کے بعد دولت آباد تشریف لائے۔ اس کے بعد گلبرگہ کا رخ کیا جو اس وقت شاہانِ بہمنی کا دارالخلافہ تھا۔ بادشاہِ وقت نے بڑی عقیدت سے آپ کا خیر مقدم کیا اور آپ گلبرگہ میں ہی بس گئے۔ چند سالوں کے بعد ۱۴۲۲ء میں اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔

---

[1] یہ سیر محمدی کا بیان ہے سیر العارفین سے خیال ہوتا ہے کہ حضرت چراغ دہلی نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا۔ [2] سیر محمدی

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جوامع الکلم، جس میں نو مہینوں (یعنی ۱۵ مارچ ۱۴۰۰ء سے ۱۰ دسمبر ۱۴۰۰ء کے ملفوظات آپ کے بڑے صاحبزادے (سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی) نے جمع کیے تھے شائع ہو گئی ہے۔ اس میں فاضل مرتب (مولانا محمد صدیقی صاحب) کی تصحیح و تحشیہ کے باوجود غلط کتابت یا مسودوں کی دشواریوں سے بعض ایسی الجھنیں رہ گئی ہیں جن سے کئی اہم مقامات پر مطلب خبط ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی کام کی کئی باتیں ہیں۔ ایک طویل اندراج سے اس دلچسپی کا پتا چلتا ہے، جو حضرت گیسو دراز کو اشاعتِ اسلام سے تھی اور ان دشواریوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے جن سے ہندوؤں کے مضبوط معاشرتی نظام کی وجہ سے مبلغینِ اسلام کو دو چار ہونا پڑتا تھا۔ ایک ملفوظ میں ہندوؤں اور برہمنوں کی نسبت فرماتے ہیں:۔

کئی ایک مرتبہ ان کے علما اور درویش (یعنی پنڈت اور یوگی) میرے پاس دعوے اور بحث کے لیے آئے۔ طے یہ پایا کہ جو بحث میں کامیاب ہو۔ دوسرا اس کی بات مان لے اور اس کی متابعت کرے۔ چنانچہ اس بات پر قول و اقرار ہو گیا۔ میں نے کہا کہ پہلے آپ اپنی بات شروع کریں۔ انھوں نے کہا نہیں تم کہو۔ میں نے ان کی سنسکرت کی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں اور ان کی روایات کو جانتا تھا چنانچہ میں نے ان سے شروع سے لے کر آخر تک باتیں کہیں اور انھوں نے ان سب باتوں کو دل و جان سے قبول کیا اور کہا کہ واقعی جو تم کہتے ہو وہ ٹھیک ہے۔ پھر میں نے اپنے مذہب کا بیان شروع کیا اور دونوں کا موازنہ کر کے اپنے مذہب کو ترجیح دی۔ اس پر وہ حیران رہ گئے۔ شور و غوغا کرنے لگے۔ جس طرح بتوں کے سامنے ڈنڈوت کرتے ہیں، اسی طرح میرے سامنے اظہارِ عقیدت کیا۔ میں نے کہا یہ سب بیکار ہے۔ تمھارے اور میرے درمیان معاہدہ یہ ہے کہ جس کی بات سچی ہو دوسرا اس کی پیروی کرے اور اس کے راستے پر چلے۔ لیکن کوئی کہنے لگا میری بیوی، بچے اور خاندان کے لوگ ہیں (ان کو کیسے چھوڑوں؟) کسی نے کہا کیا کروں جو کچھ ہوا سو ہوا۔ ہمارے بزرگ اس راستے پر چلتے تھے جو ان کے لیے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ٹھیک تھا۔ ہمارے لیے بھی ٹھیک ہے۔" (ترجمہ از جوامع الکلم ص ۱۱۸-۱۱۹)

پھر سامانہ کے ایک ہندو کا تذکرہ کیا ہے جس کے ساتھ اسی طرح قول و قرار ہوا تھا کہ جو مباحثہ میں دوسرے کا قائل ہو جائے۔ وہ اس کا مذہب قبول کرے حضرت گیسو دراز نے اپنے روحانی تصرفات کے زور سے اسے قائل کر لیا' لیکن جب اس سے کہا گیا کہ اب معاہدے کی رُو سے تمھیں مسلمان ہو جانا چاہیے۔ تو وہ کہنے لگا کہ میں نے نئی نئی شادی کی ہے۔ سامانہ جاتا ہوں اور اپنی بیوی کو ساتھ لے کر آؤں گا۔ لیکن وہ ایسا گیا کہ پھر نہ آیا!

ہم آگے چل کر اس امر کی وضاحت کریں گے کہ خلجیوں کے زوال کے بعد صوفیوں کے طریقوں پر کڑی نکتہ چینی ہونے لگی۔ جوامع الکلم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور اس میں متعدد اندراجات ایسے ہیں جن میں علما و فقہا اور صوفیہ کی باہمی مخالفت کا ذکر ہے۔ کئی ملفوظات میں ایک شخص غلام الخلیل کا تذکرہ ہے جو بادشاہ کا وزیر ہو گیا تھا اور جس نے پایۂ وزارت پر پہنچ کر صوفیہ کے خلاف دستِ تعدی دراز کیا۔ "غلام الخلیل چندگاہے در حلقۂ صوفیاں در آمد۔ آخر ہذہب اعتقادی بیرون شدہ۔ تقرب بہ بادشاہ جست تا آنکہ وزیر گشت۔ دست ایذا بر صوفیاں کشاد۔ مے گوید مردمانے اند۔ خوش خورند و خوش خسپند و کفریات و سخنان بے دیناں بگویند۔"

ایک جگہ ملفوظات کے ناقل کہتے ہیں "ہم ازیں جا سخن در اختلافے کہ علما و فقہا با صوفیان کنند افتاد۔" ایک اور جگہ ایک خیاط اور بعض معلمین کی بحث کے ضمن میں حضرت گیسو دراز نے فرمایا:-

"چنانکہ رسم دانشمنداں است کہ صوفیاں را گویند کہ اول بارے مسلمان شوید بعد ازاں صلاحت پیش کنید۔ شما جاہلانید۔ دین ندارید۔ ملحدانید... ؎[۵]

؎[۵] جوامع الکلم ص ۲۵۱

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت گیسو دراز کا جس طرح تصوف اور عرفان کی منزل میں اونچا درجہ ہے، اسی طرح علم و فضل اور تصنیف و تالیف کی تاریخ میں ان کا نام روشن ہے۔ آپ سے پہلے بزرگانِ چشت میں بڑے عالم اور بزرگ ہوئے تھے۔ مثلاً حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات پڑھیں تو ان کی وسعتِ معلومات، کشادہ مشربی اور علم و فضل کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت چراغ دہلی تو علم اور اہلِ علم کے خاص طور پر قدر دان تھے، لیکن افسوس کہ ان بزرگوں نے تصنیف و تالیف کی منزل میں قدم نہ رکھا۔ اور اسلامی ہندوستان کی مذہبی زندگی کا یہ ایک افسوس ناک پہلو ہے کہ جن ہستیوں نے ہماری ابتدائی مذہبی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا (مثلاً حضرت خواجہ اجمیری، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، بابا فرید، حضرت سلطان المشائخ، حضرت مخدوم جہانیاں، حضرت چراغ دہلی) انھوں نے اپنے خیالات تفصیل اور وضاحت سے صفحۂ کاغذ پر ضبط نہ کیے۔ حضرت گیسو دراز کے زمانے میں یہ حجاب کسی قدر دور ہو رہا تھا۔ چنانچہ نور قطب عالم اور میر سید علی ہمدانی کے بعض رسالے ملتے ہیں۔ اور ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر حضرت مخدوم علی مہائمی کی تصانیف کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ لیکن شمالی ہندوستان کے مقبول سلسلوں (چشتیہ اور سہروردیہ) کے مشہور بزرگوں میں سب سے پہلے جس ہستی نے تصنیف و تالیف کی طرف پوری توجہ کی۔ وہ حضرت سید گیسو دراز[1] تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد آپ کی عمر کے سنین کے مطابق ایک سو پانچ بتائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ سیر محمدی میں اکتیس ۳۱ کتابوں کے نام گنائے گئے۔ جو زیادہ تر تصوف میں ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ علوم اسلامی کا کوئی شعبہ نظر انداز نہیں ہوا

---

[1] آپ کو بھی اپنے اس امتیاز کا احساس تھا۔ اسماء الاسرار کے دیباچے میں لکھتے ہیں "ہر کس کہ دراں حضرت سلوک کرد بچیزے مخصوص شد۔ ما بہ سخن مخصوصیم۔ خدا مارا دولت بیان اسرار خویش داد"

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ نے ایک تفسیر کلام مجید کی لکھی، سلوک کے رنگ میں۔ اور کشاف کے طرز پر ایک اور تفسیر شروع کی تھی لیکن پانچ سیپاروں سے آگے نہ جا سکی۔ کشاف پر آپ نے حواشی بھی لکھے۔ ان کے علاوہ شرح فصوص الحکم، معارف شرح عوارف۔ شرح فقہ اکبر (عربی و فارسی) رسالہ سیرۃ النبی، شرح آداب المریدین، اسماء الاسرار قابلِ ذکر ہیں۔ موخر الذکر دونوں کتابیں چھپ چکی ہیں۔

آپ شاعر بھی تھے۔ دیوان مولوی سید عطا حسین صاحب کی تصحیح کے بعد شائع ہو گیا ہے۔ زیادہ تر غزلیں ہیں جن میں عام عاشقانہ رنگ میں خیالات و جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔ حتّٰے کہ مُرشد (یعنی حضرت چراغ دہلیؒ) کی تعریف میں بھی یہی پیرایۂ بیان استعمال ہُوا ہے۔ ایک قطعہ میں کتابوں کے یہ عاشق کسی کتاب کی خواہش کو بحسن وخوبی اس طرح ٹالتے ہیں ؎

معشوقۂ من کتابِ من شُد — بستہ دلِ من بدو کشادا ست
گوئی کہ مرا بہ عاریت دہ — معشوقہ بہ عاریت کہ دادا ست!!

آپ کے فارسی مکتوبات بھی مولوی سید عطا حسین نے شائع کیے ہیں۔[1]

---

[1] حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز کی درگاہ کا جس طرح انتظام ہو رہا ہے وہ بعض امور میں دوسری بڑی درگاہوں کے لیے ایک نمونہ ہے۔ (۱) درگاہ سے ملحق ایک مدرسہ ہے جس میں مجاورین کی اولاد کی دینی اور دنیوی تعلیم کا انتظام ہوتا ہے (۲) درسگاہ کی عمارت میں ایک کتب خانہ قائم ہُوا ہے۔ جس میں نواب معشوق یار جنگ بہادر سابق ڈسٹرکٹ کلکٹر گلبرگہ کی علم دوستی اور فیاضی سے مذہب اور تصوف کے متعلق کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے (۳) حضرت بندہ نواز کی تصانیف کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا جاتا ہے۔ اور صحت اور عمدہ زیبی کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں اسمار الاسرار، مستطاب خاتمہ، ترجمہ آداب المریدین، خطائر القدس، یازدہ رسائل، انیس العشاق (دیوان) مکتوبات، کمیٹی اشاعت تصانیف عالیہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سماع سے آپ کو بڑا شغف تھا۔ فرماتے ہیں:۔
"کارِ من بیشتر در تلاوت و سماع بود" موسیقی کی باریکیوں کو آپ خوب سمجھتے تھے۔ سیر محمدی میں آپ کی مجلس سماع کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اکثر فارسی غزلیں گائی جاتی تھیں۔ فرماتے۔ ہندی کی چیزیں نرم، لوچدار اور دل میں رقت پیدا کرنے والی ہوتی ہیں۔ اور اس کا راگ بھی نرم ہوتا ہے۔ اور طبیعت میں عاجزی اور مسکنت پیدا کرتا ہے۔ لیکن موسیقی کے فن اور موسیقار کے جذبات کا اظہار فارسی ہی میں بہتر طریقے پر ہوتا ہے۔ اور اس میں کچھ اور ہی لذت اور ذوق ملتا ہے"
سیر محمدی میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کی مجالس سماع کے متعلق لوگوں نے فیروز شاہ تغلق کے پاس شکایت کی کہ ان مجالس میں مریدین اپنا سر زمین پر رکھ دیتے ہیں اور بڑا شور مچاتے ہیں۔ بادشاہ نے یہ سن کر کہلا بھیجا کہ اپنی مجلس سماع خلوت میں کیا کریں۔ چنانچہ اب آپ اپنے حجرہ میں ہی یہ مجلس منعقد کراتے۔ بیچ میں پردہ ڈال دیتے۔ مریدین پردے کے باہر صف باندھ کر بیٹھتے۔ اور جب آپ پر وجد طاری ہوتا تو حجرے کا دروازہ بند کر دیا جاتا۔ (سیر محمدی ص ۲۹،۲۸)
حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی زیادہ تصانیف فارسی میں ہیں۔ لیکن دکن میں آمد کے بعد آپ نے عوام کی تلقین کے لیے بعض رسالے دکنی زبان میں بھی لکھے جن میں سے معراج العاشقین چھپ چکی ہے۔ اور قدیم اردو یا دکنی کی سب سے پہلی مطبوعہ کتاب سمجھی جاتی ہے۔
حضرت بندہ نواز کا مرتبہ ان کی علمی تصانیف سے ظاہر ہے، لیکن دکنی عوام میں آپ کی شہرت علمی کارناموں سے نہیں بلکہ خوارق عادات اور روحانی تصرفات کی بنا پر ہے اور اس میں اتنا غلو کیا جاتا ہے کہ عقل اور شریعت افسوس کرتی ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے "شخصے از مردِ دکنی پرسید۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزرگتر است۔ یا سید محمد گیسو دراز۔ او جواب داد کہ حضرت محمد رسول اللہ اگرچہ پیغمبر خدا است۔ اما، سبحان اللہ نخ، دم ما سید محمد گیسو دراز چیزے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیگر اسست[۱]

سرکاری گزیٹیر میں لکھا ہے کہ حضرت سید گیسو دراز نے پونا اور بلگام کے کئی لوگوں کو مسلمان کیا۔ (آرنلڈ) ان کے علاوہ اور بھی کئی داعیانِ اسلام گزرے ہیں جن کے نام اولیا کے تذکروں میں نہیں آئے۔ لیکن انھوں نے اشاعتِ اسلام کے ذریعے ٹھوس کام کیا۔ ان میں سے بمبئی کے مغربی ساحل پر علاقہ کونکن میں شیخ بابا عجب نے مدتوں اشاعت اسلام کی۔ آپ کا مزار ضلع تھانہ کے پرفضا مقام قصبہ دھانو میں ہے۔ ضلع دھارواڑ کے کئی جولاہے ایسے ہیں جن کے بزرگوں نے سید ہاشم گجراتی کے زیرِ اثر اسلام قبول کیا۔ ضلع ناسک میں شاہ محمد صادق سرمست حسینیؒ اور خواجہ خنمیر حسینیؒ کامیاب داعیانِ اسلام تھے۔ بلگام میں دو داعیانِ اسلام سید محمد بن سید علیؒ اور سید عمر عیدروسؒ کا نام اب تک ادب سے لیا جاتا ہے۔ ضلع ستارا کے جنوبی حصے میں اسلام پور مسلمانوں کا ایک بارونق قصبہ ہے۔ یہاں کے لوگوں کو ایک نومسلم پیر نے مسلمان کیا۔ جن کا ہندوانہ نام شمبھا بابا گوشی تھا اور جن کی درگاہ آج بڑی مقدس سمجھی جاتی ہے۔ (آرنلڈ)

صوفیائے کرام کی تبلیغی کوششوں کے علاوہ اسلام نے جنوبی ہند میں جو تھوڑی بہت کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کی وجہ اسلامی تعلیمات ہیں۔ دکن میں چھوت چھات اب بھی زور وں پر ہے۔ اور کئی اچھوت قومیں ایسی ہیں،

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۳۲۰۔ معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کا مؤلف حضرت گیسو دراز کا عقیدت مند نہ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی کتاب کے آخر میں جہاں دوسرے اولیائے کرام کے حالات لکھے ہیں وہاں حضرت گیسو دراز کے تذکرے کو نظر انداز کر دیا ہے۔ دکن کی ملکی تاریخ کے ضمن میں حضرت کا ذکر ہوا ہے لیکن اس میں چبھنے والی باتیں کہی ہیں۔ مثلاً گلبرگہ میں سید گیسو دراز کی آمد کا ذکر کرکے لکھتا ہے سلطان فیروز شاہ حکیم طبیعت بود۔ چوں سید محمد گیسو دراز را در علم ظاہری خصوصاً معقولات خالی دید، چنداں توجہ نہ نمود (تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۳۱۶)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جنھیں آج سے چند سال پہلے عام سڑکوں پر بھی، جن سے برہمن گزرتے ہوں، چلنے کی ممانعت تھی۔ آرنلڈ لکھتا ہے:-

"یہ لوگ مسلمان ہو کر ذلت و خواری کی زندگی سے نجات پاتے ہیں۔ اور تہذیب اور تمدن کے بعد اپنے اور اپنی اولاد کے لیے بلند پایہ حاصل کرتے ہیں۔"

جنوبی ہندوستان کے متعلق مسٹر وارن نے مشنری رسالہ مسلم ورلڈ میں ایک مضمون لکھا تھا اس میں وہ اسلام کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اسلام نے خود جنوبی ہندوستان کے ماحول پر کئی اثر ڈالے ہیں۔ اور بالعموم وہ اثرات نیک تھے۔ اسلام نے صنعت و حرفت کو ترقی دی ہے۔ کیونکہ مسلمان محنتی اور وسائل بہ عمل ہوتے ہیں۔ اسلام نے ذات پات کی قیود سے آزادی دی ہے۔ مسلمانوں کی غیر ذاتوں میں شادیاں کرنے سے اور اسلام رائج ہونے سے ذات پات کے بندھن ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ نومسلموں کا بیشتر حصہ پسماندہ اور اوہام زدہ بُت پرست طبقوں سے آیا ہے۔ اور قبولِ اسلام سے ان لوگوں نے مذہبی، معاشرتی اور اقتصادی طور پر ترقی کی ہے۔ اسلام نے شادی کی عمر کو بڑھایا ہے۔ اور کئی دوسرے نیک اثرات ڈالے ہیں۔" (مسلم ورلڈ اکتوبر ۱۹۳۷ء)

کشمیر

کشمیر[۱] میں اسلام بڑی دیر سے یعنی چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں داخل ہوا[۲]۔ سوات کے ایک بزرگ شاہ مرزا ۱۳۱۵ء میں کشمیر کے راجا سنگھ دیو[۳] کے ملازم ہوئے اور اپنی خداداد قابلیت سے بڑا اقتدار حاصل کر لیا۔ ان کے بیٹوں کو بھی راجا نے بڑے اختیارات دیے اور خود ان کو

---

[۱] یہ حالات زیادہ تر ڈاکٹر صوفی کی انگریزی تاریخ کشمیر "کشیر" فوق کی تاریخ کشمیر جلد دوم۔ خزینۃ الاصفیا (جس کے مرتب کے پیش نظر تاریخ الاعظمی تھی)۔ اور متفرق سیاسی تواریخ پر مبنی ہیں۔

[۲] لیکن اکّے دکّے مسلمان اس سے پہلے بھی کشمیر میں آتے رہے اور راجا ہرش کے عہدِ حکومت میں (۱۰۸۹ء سے ۱۱۰۱ء تک) بعض مسلمان کشمیری فوج میں ملازم تھے۔ [۳] یا سمہا دیو

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

راجا سنگھ دیو کے ایک جانشین نے اپنا وکیل مطلق مقرر کیا۔ آخر میں جب ملک کا انتظام درہم برہم ہونے لگا تو ۱۳۴۳ء میں شاہ مرزا صاحب شمس الدین شاہ کے نام سے تخت نشین ہوئے اور اپنا سکّہ اور خطبہ جاری کیا۔ کیمبرج ہسٹری میں ان کی نسبت لکھا ہے:-

"نئے بادشاہ نے اپنے اختیارات سمجھ اور نیک نیتی سے استعمال کیے۔ کشمیر کے ہندو راجے بڑے ظالم تھے۔ ان کی علانیہ پالیسی یہ تھی کہ رعیت کے پاس معمولی دال روٹی سے زیادہ کچھ نہ رہنے دیا جائے۔ نئے بادشاہ کی حکومت لبرل اصولوں پر قائم تھی۔ اس نے بے جا سرکاری لگان اور غیر منصفانہ ٹیکس ہٹا دیے۔ ٹیکس وصول کرنے کے ظالمانہ طریقے موقوف کر دیے اور سرکاری لگان پیداوار کے چھٹے حصے پر مقرر کیا۔"

شاہ میر نے کشمیر سے اسلام کے سیاسی تعلقات کی بنیاد ڈالی۔ لیکن اس خطۂ جنت نظیر میں اسلام کے پہلے کامیاب مبلغ حضرت بلال شاہ یا بلبل شاہ تھے۔ خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ حضرت بلبل شاہ کا اصلی نام شرف الدین تھا۔ اور اسلام کشمیر میں ان کی بدولت پھیلا۔ وہ شاہ نعمت اللہ فارسی کے مرید اور سہروردی سلسلے کے بزرگ تھے۔ ۱۳۲۴ء میں رنجن شاہ حاکم کشمیر کے عہد میں وہ کشمیر آئے اور راجا اور اس کے بہت سے امرا کو مسلمان کیا۔ تفصیل اس کی اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ انھوں نے سرینگر میں آکر شہر کے باہر لب آب قیام کیا۔ اس وقت تبتی نسل کے ایک راجا رنجن دیو نے ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ خود بودھ مذہب کا پیرو تھا، لیکن اس کی طبیعت اپنے مذہب سے مطمئن نہ تھی۔ ملک میں عام طور پر ہندو مذہب رائج تھا۔ لیکن اس نے شاہ میر کی وجہ سے جو ابھی ایک با اثر درباری تھا۔ اسلام سے شناسائی حاصل کر لی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ بودھ مت چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرے۔ بہت سوچ سوچ کر ایک رات اس نے فیصلہ کیا کہ کل علی الصباح سب سے پہلے جو مجھے قابل عظمت اور مقدس ہستی نظر آئے گی میں اسی کا مذہب اختیار کر لوں گا۔ اگلے روز جب وہ اٹھا اور مغرب کی طرف نظر دوڑائی تو

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیکھا کہ ایک بزرگ فرشتہ صورت، پتھریلی زمین پر بڑے وقار اور خضوع اور خشوع سے نماز ادا کر رہا ہے۔ راجا اسے دیکھ کر بڑا متاثر ہوا۔ پا پیادہ اس کی خدمت میں پہنچا اور اس کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا[1]۔ اس کے بعد اس کے اہلِ خانہ اور امرا یکبار مسلمان ہوئے اور پھر تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ حضرت بلبل شاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور دولتِ اسلام سے فیضیاب ہوتے تھے۔ جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، ان کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے[2]۔ راجا نے آپ کے ایما پر ایک بڑی خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ جو اب بھی لنگر بابا بلبل شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی۔ تواریخ اعظمی کے مصنف خواجہ اعظم نے بابا بلبل شاہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے اتنی طاقت دی ہے کہ میں غذا اور سرو سامان کے بغیر خوشی سے زندگی بسر کروں۔ اور اسی بدن کے ساتھ روح کے جدا ہوئے بغیر دار البقا کو جاؤں، اور اس جسم کو ابد الاباد تک محفوظ رکھوں۔ لیکن چونکہ یہ سب امور سنتِ نبوی کے خلاف ہیں۔ میں ان کا مرتکب نہیں ہوتا۔ سنت کی پیروی میرے نزدیک ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت کی وفات ۱۳۲۶ء میں ہوئی۔ اس کے تھائی سال بعد رنچن شاہ جس نے سلطان صدر الدین کا لقب اختیار کیا تھا، وفات پا گیا اور حضرت کے مزار کے قریب دفن ہوا۔

سلطان صدر الدین کی وفات کے بعد ملک میں پھر بد نظمی پیدا ہوئی اور جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ شاہ میر صاحب سلطان شمس الدین کے نام سے تخت نشین ہوئے۔ انھیں تین چار سال سے زیادہ حکومت نصیب نہیں ہوئی۔ لیکن انھوں نے

---

[1] حال کے بعض ہندو مورخین (مثلاً کرپا رام اور نرائن کول) نے رنچن دیو کے مسلمان ہونے کی یہ وجہ دی ہے کہ براہمنوں نے اسے ہندو بنانا منظور نہ کیا۔ (تاریخ کشمیر موسوم گلزار کشمیر از ڈاکٹر صوفی)

[2] ملاحظہ ہو ڈاکٹر صوفی کی تاریخ کشمیر صفحہ ۸۳

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسلامی حکومت کی مستحکم بُنیاد رکھ دی ۔ اور کوئی ڈھائی سو سال تک ان کا خاندان اس مُلک میں برسرِ اقتدار رہا ۔

اسی صدی کے اخیر میں امیر کبیر سید ہمدانی ایران سے کشمیر تشریف لائے ۔ آپ بڑے صاحبِ علم بزرگ گزرے ہیں ۔ اور اسلامی دُنیا کی روحانی تاریخ میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے ۔ آپ کی ذات میں جلالی اور جمالی شانیں دونوں موجود تھیں ۔ اور مذہب سے واقفیت اور روحانی عزم و مرتبت کے علاوہ منتظمانہ قابلیت بھی آپ میں بدرجۂ اتم تھی ۔ آپ ۱۲ رجب ۷۱۴ھ (مطابق ۱۲ / اکتوبر ۱۳۱۴ء) کو بمقام ہمدان پیدا ہوئے ۔ مُدتوں ممالک اسلامی کی سیاحت کی ۔ مشہور ہے کہ آپ نے ایک ہزار چار سو اولیاء اللہ سے مُلاقات کی لیکن آپ کا اصل تعلق کبرویہ سلسلے سے تھا ' جو سہروردیوں کی ایک شاخ ہے ۱۳۶۹ء میں آپ ایران چھوڑ کر سات سو سیدوں کے ساتھ کشمیر تشریف لائے ۔ بادشاہِ وقت آپ کے ساتھ بڑی عقیدت سے پیش آیا ۔ اور آپ نے اور آپ کے رفقا نے بڑی سرگرمی سے اشاعتِ اسلام شروع کی ۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی کوششوں سے سینتیس ۳۷ ہزار کشمیری دائرہ اسلام میں آئے ۔ آپ نے کئی ایک کتابیں لکھی ہیں ۔ مثلاً مجمع الاحادیث ' شرح اسمائے حسنیٰ ' شرح فصوص الحکم ' مرآۃ التائبین ' ذخیرۃ الملوک آپ کی آخری تصنیف امورِ مُلکی اور سیاسی مصلحتوں[1] کے متعلق ہے ۔ آپ کی اور آپ کے رفقا کی کوششوں سے اسلام کشمیر میں مستحکم بُنیادوں پر قائم ہو گیا ۔ آپ کی وفات ۱۳۸۴ھ میں ضلع ہزارہ اور بقول بعض کافرستان کے علاقے میں ہوئی ۔ لیکن نعش مُبارک ترکستان کے

---

[1] آپ نے کشمیر میں بھی بعض سیاسی معاملات میں دخل دیا ۔ مثلاً جب آپ کشمیر میں تشریف لائے تو کشمیر کا بادشاہ اہند کے حاکم سے (جو اٹک سے سولہ میل شمال کو ایک پُرانی اور اہم بستی ہے) برسرِ پیکار تھا ۔ آپ نے محاذِ جنگ پر جا کر دونوں میں صلح کرا دی ۔

(تاریخ کشمیر از ڈاکٹر صُوفی)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شہر ختلان میں لے جاکر دفن کی گئی۔

تواریخ اعظمی میں لکھا ہے کہ آپ نے تین مرتبہ ربع مسکون کی سیر کی۔ اور اس سلسلے میں تین دفعہ کشمیر آئے۔ آخری دفعہ وفات سے تھوڑا عرصہ پہلے ۷۸۶ھ میں تشریف لائے تھے۔ جب آپ پہلی مرتبہ ۷۸۱ھ میں تشریف لائے تھے تو سید محمد خاوری نے تاریخ لکھی ہے ؎

میر سید علی شیر ہمدان — سیر اقلیم سبعہ کرد نکو
شد مشرف مقدمش کشمیر — اہل آن شہر را ہدایت جو
سال تاریخ مقدم او را — یابی از مقدم شریف او

اس وقت آپ کے ساتھ سات سو سادات عظام تھے۔ کشمیر پہنچ کر آپ نے محلہ علاؤالدین پورہ میں قیام کیا۔ پانچ وقت کی نماز دریا کے کنارے جہاں اب آپ کی خانقاہ ہے، ادا فرماتے اور خلقت کو ارشاد و ہدایت سے فیضیاب کرتے۔ بادشاہ وقت سلطان قطب الدین آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا اور آپ کا بڑا ادب کرتا۔ اس نے ایک خلاف شرع حرکت کر رکھی تھی۔ یعنی دو خواہران حقیقی کو اپنے نکاح میں لے آیا تھا۔ حضرت کے ارشاد پر اس نے اپنی غلطی کا ازالہ کیا۔ بخروج شروع میں ہندوانہ لباس پہنتا تھا۔ حضرت کے ارشاد پر اسے ترک کیا۔ اور اسلامی ممالک کا لباس اختیار کیا۔ مرزا حیدر نے تاریخ رشیدی میں لکھا ہے کہ حضرت نے کشمیر میں چالیس روز سے زیادہ قیام نہیں کیا۔ اور تواریخ اعظمی کی نسبت یہ بیان زیادہ معتبر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حضرت کے کشمیر سے چلے جانے کے بعد آپ کے اکثر رفقا یہیں رہ گئے۔ اور آپ کی خانقاہ کشمیر میں اشاعت اسلام کا سب سے بڑا مرکز بن گئی۔ علامہ اقبالؒ آپ کی نسبت لکھتے ہیں ؎

سید سادات سالار عجم — دست او معمار تقدیر امم
تا غزالی درس اللہ ہو گرفت — ذکر و فکر از دودمان او گرفت
مرشد آن خطۂ مینو نظیر — میر و درویش و سلاطین را مشیر

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"